مقالات

حصن المسلم

جلد پنجم

مؤلف

ندیم ایاز

مکتبہ دار الرحیل

کتاب: حصن المسلم کے مقالات جلد پنجم
مولف: ندیم ایاز
سال اشاعت: 2021
قیمت: 200روپیہ

فہرست

مقدمہ 3
تالیفات.....4
(1)سترے کے احکام ومسائل.....6
(2) علامات قیامت کی تفسیر وتطبیق کے شرعی اصول اورضابطے 24
(3) ملّت کے سپوت ذمہ داریاں اور درپیش فتنے!! 50
(4) پاکستان اور سعودی عدالتی نظام کی خصوصیات اور تقابلی جائزہ! 82
(5) اِسلام اور ریلیاں 123
(6) بچوں کی تربیت کے رہنما اصول.....132
(7) طمع وحرص علامات قیامت کی روشنی میں 153
(8) تخلیقِ انسانی کے مراحل 170
(9) نوجوان کسے کہتے ہیں؟.....188
(10) انسانی فکروعمل میں قلب(دل) کا کردار اور اسلام 198

مقدمہ

الحمد للہ، اصلاحی سلسلے کی یہ ایک اور بہترین کتاب ہے ۔ جہاں دکھ اور مصیبتیں بڑھ گئیں ہیں وہاں ایمان کو جلا بخشنے کے لئے قرآن وسنت کی روشنی ایک بہترین ذریعہ ہے، ثابت قدم ہیں وہ لوگ ہر دکھ، خوف اور پریشانی میں جن کو لا الہ الا اللہ نے مضبوط کردیا ہے ۔
کسی کے دل میں سرور اور خوشی کا إحساس ڈال دینا ایک أفضل عبادت ہے آپ کے دکھ کم کرنے میں یہ میری استطاعت میں ہے کہ کلمہ خیر آپ کے سامنے رکھوں اللہ تعالیٰ مجھے مزید توفیق عطا فرمائے آمین

قاری شیخ ندیم ایاز حفظہ اللہ تعالیٰ
16نومبر 2021 کراچی
00923172134743 whatsapp
Peaceofmindna.com website
Peaceofmind.na facebook page

تالیفات

(1)قرآنی دعائیں
(2)اللہ کے بندے مادہ پرست نہیں ہوتے
(3)اصلاح النساء
(4)طرق التفسیر
(5)قرآن مجید کی تفسیر کے اقسام
(6)المناهج المختلفة للمفسرين
(7)الكبائر التي ذكرها الإمام الذهبي
(8)اسلام سائنس اور الحاد
(9)ملحدین کے پچاس اعتراضات کے جوابات
(10)ملحدین کی اصلاح
(11)خدا کے بارے میں ملحدین کی پریشانی کا علاج
(12)پاکستان میں اسلامی دستور کے لیے علماء کے 22 متفقہ نکات
(13)أسهل طريقة لحفظ القرآن الكريم
(14)صحیفہ ہمام بن منبہ
(15)المعجم الصغير للطبرانی
(16)پیغام مدینہ جلد اول
(17)پیغام مدینہ جلد دوم
(18)پیغام مدینہ جلد سوم
(19)پیغام مدینہ جلد چہارم
(20)پیغام مدینہ جلد پنجم
(21)پیغام مدینہ جلد ششم
(22)پیغام مکہ جلد اول
(23)مقالات حصن المسلم جلد اول
(24)مقالات سیرت جلد اول
(25)مقالات سیرت جلد دوم
(26)مقالات سیرت جلد سوم
(27)مقالات حصن المسلم جلد دوم

(28)مقالات حصن المسلم جلد سوم
(29)مقالات حصن المسلم جلدچهارم
(30)مقالات حصن المسلم جلد پنجم
(31)مقالات حصن المسلم جلد ششم
(32)مقالات حصن المسلم جلدهفتم
(33)مقالات حصن المسلم جلد هشتم
(34)بے قرار دل کا قرار

(1)سترے کے احکام ومسائل

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

نمازی کے آگے سترہ رکھنا واجب ہے یا مستحب؟ اس میں علما کی دو رائیں ہیں، بعض کے نزدیک مستحب اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔ استحباب کی دلیل کھلی فضا میں بعض دفعہ نبی ﷺ کا بغیر سترے کے نماز پڑھنے کا واقعہ ہے۔[2] وجوب کے قائل علماء کے نزدیک مذکورہ واقعے میں "غیر جدار" کے الفاظ ہیں جس کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں:

يصلي الى شيء غير الجدار

یعنی ایسی چیز کے سامنے نماز پڑھی جو دیوار نہیں تھی۔ مزید وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ نے بغیر سترے کے نماز پڑھائی ہوتی تو یہ الفاظ ہوتے:

يصلي الى غير سترة

آپ نے بغیر سترے کے نماز پڑھی۔[3]

بہر حال احادیث میں سترے کی جتنی تاکید آئی ہے، اس سے وجوب ہی کی تائید ہوتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ بالعموم کھلی فضا میں نماز پڑھاتے تو آپ کے آگے بطور سترہ برچھی یا نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا۔

سترے کی تاکید:

نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے سامنے سے کسی کو گزرنے نہ دے، بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کو روکے، اگر وہ نہ رکے تو اس سے لڑے، کیونکہ وہ شیطان ہے"۔ (لڑنے کا مطلب ہے، زور سے روکے)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو علم ہو کہ اس کا کتنا گناہ ہے تو گزرنے کے بجائے اس کو چالیس (سال) تک بھی انتظار میں ٹھہرنا پڑے تو اس کے لیے بہتر ہو۔] "4[

کیا سترہ مسجد میں ضروری نہیں؟

احادیث میں نبی ﷺ کی بابت سترے کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں (مثلاً: صحرا، کھلی فضا، عید گاہ وغیرہ میں) ان سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسجد میں سترہ رکھنا ضروری نہیں۔ لیکن یہ استدلال غیر صحیح ہے۔

اولاً: اس لیے کہ سترے کی تاکید میں جتنی احادیث منقول ہیں وہ مطلق ہیں، اس میں صحرا، عید گاہ وغیرہ کی تحدید نہیں ہے بلکہ ان کا عموم مسجد اور غیر مسجد دونوں جگہ اس حکم پر عمل کا مقتضی ہے۔

ثانیاً: صحابہ کرام کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، صحابہ کرام مغرب کی اذان کے بعد دو رکعت پڑھنے کے لیے ستونوں کی طرف دوڑتے تھے، یعنی ان کو سترہ بنا کر دو رکعت پڑھتے۔] 5[

اسی باب میں جناب سلمہ بن اکوع کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوشش کر کے ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

علاوہ ازیں نبی ﷺ جب نماز پڑھاتے تو سامنے جو دیوار ہوتی وہ آپ (کے سجدے والی حالت) سے اتنے فاصلے پر ہوتی کہ صرف بکری گزر سکتی تھی۔]6[

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دیوار کو سترہ بنا لیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازی اور سترے کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہیے، صرف اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا معمولِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے۔

اس مختصر تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسجد میں نمازیوں کو سنن و نوافل کی ادائیگی کے وقت دیوار کے قریب یا ستون کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر سترے کا اہتمام کیا جائے۔ اگر اس کے بغیر نماز پڑھی جائے گی تو گزرنے والے کے ساتھ ساتھ نمازی بھی عند اللہ مجرم ہو سکتا ہے۔

نمازی اور سترے کے درمیان کتنا فاصلہ ہو؟

اس کی کچھ وضاحت سطور بالا سے اگرچہ ہو چکی ہے کہ یہ فاصلہ زیادہ نہیں ہونا چاہیے تاہم علماء نے اس کی مقدار تین ہاتھ (ذراع) بتلائی ہے۔ یہ ایک اندازہ ہے، اس میں کچھ کمی بیشی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ فاصلہ زیادہ بہر حال نہ ہو۔

سترہ کتنا لمبا اور کتنا موٹا ہو؟

صحیح مسلم میں ہے: ”جب تم میں سے کوئی شخص 'مؤخرۃ الرحل' کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو نماز پڑھ لے، پھر اس سے آگے گزرنے والے کی پروا نہ کرے۔“

صحیح مسلم ہی میں دوسری حدیث ہے: صحابہ نے کہا: ہم نماز پڑھتے ہیں تو جانور ہمارے آگے سے گزرتے رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”تمھارے سامنے 'مؤخرۃ الرحل' کی مثل کوئی چیز ہو تو پھر تمھارے آگے سے گزرنے پر تمھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔“

'مؤخرۃ الرحل' کیا ہے؟ اونٹ وغیرہ پر بیٹھنے کے لیے جو لکڑی کا پالان رکھتے ہیں، اس کا پچھلا (ٹیک لگانے والا) حصہ 'مؤخرۃ الرحل' (یعنی پالان کا پچھلا حصہ) ہے۔ اس کی لمبائی ایک ذراع (ایک ہاتھ) یا بعض نے ایک ذراع اور ایک بالشت بتلائی ہے۔ آج کل اس کی لمبائی ایک فٹ اور ڈیڑھ فٹ کے درمیان علماء بتلاتے ہیں۔

یہ تو سترے کی لمبائی (طول) کا مسئلہ ہوا۔ یہ موٹا، یعنی چوڑا کتنا ہو؟ اس کی تحدید نہیں کی جا سکتی کیونکہ نبی ﷺ کے لیے سترہ برچھی یا نیزہ بھی ہوتا تھا۔ اور اس کی چوڑائی سب کو معلوم ہے۔ اس لیے اصل مسئلہ صرف لمبائی کا ہے۔ تاہم خط کھینچنے والی روایت صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے کہ سترہ نمازی کے بالکل سامنے نہ ہو بلکہ دائیں یا بائیں جانب ہو۔ کیونکہ اصل سترہ تو وہی ہے جو اس کے بالکل سامنے، یعنی اس کی سیدھ میں ہو۔

بغیر سترہ بعض چیزوں کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی:

نبی ﷺ کا فرمان ہے: "اگر نمازی کے آگے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز نہ ہو تو گدھا، کالا کتا اور عورت، مرد کی نماز کو قطع کر دیتے ہیں۔" پوچھا گیا: کالا کتا ہی کیوں، سفید وغیرہ کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: "کالا کتا شیطان ہے۔] "7[

قطع کر دینے کا مطلب اکثر علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے خشوع خضوع میں فرق آجاتا ہے۔ جب کہ امام احمد، امام ابن قیم وغیرہما نے ظاہری مفہوم مراد لیا ہے کہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

تعاد الصلاة من ممر الحمار و المرأة و الكلب الاسود

' "گدھے، عورت اور سیاہ کتے کے گزرنے پر نماز لوٹائی جائے"۔]8[

تاہم خیال رہے عورت کا گزرنا (جس سے نماز ٹوٹ جائے گی) اور ہے اور عورت کا نمازی کے آگے لیٹے ہونا اور بات ہے جو جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوتی تھیں اور نبی ﷺ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔[9] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوئے ہوئے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

ایک حدیث میں ہے:

لا یقطع الصلاۃ شیء

"نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی۔"[10]

اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ حسن درجے کی ہے۔ ان کے نزدیک اس عموم سے مذکورہ اشیاء (گدھا، عورت، سیاہ کتا) مستثنیٰ ہوں گی، یعنی ان کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ تاہم ان کے علاوہ کسی اور چیز سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں روایات ضعیف ہیں، اس لیے مذکورہ اشیاء کے استثنا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اگر سترہ نہ ہو تو کتنے فاصلے سے گزرنا جائز ہوگا؟

اس میں تین موقف ہیں:

بعض حضرات اس کی کوئی حد نہیں بتلاتے اور کہتے ہیں کہ کتنا بھی زیادہ فاصلہ ہو، نمازی کے آگے سے گزرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اس موقف میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

دوسرا موقف ایک ضعیف حدیث پر مبنی ہے جو سنن ابی داود میں ہے، اس میں ہے:

"جب تم میں سے کوئی شخص بغیر سترے کے نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے آگے سے کتے، گدھے، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ ہاں اگر وہ پتھر پھینکنے کے برابر فاصلے سے زیادہ فاصلے سے گزریں تو نماز نہیں ٹوٹے گی (اتنا فاصلہ اس کو کفایت کر جائے گا)۔"[11]

یہ حدیث بھی قابل استدلال نہیں، کیونکہ ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں پتھر پھینکنے کی تفصیل مجہول ہے، پتھر کس طرح پھینکنا ہے؟ پھر پھینکنے کی مقدار اور مسافت میں بھی فرق ہوگا، کوئی زیادہ زور سے پھینکے گا تو اس کا فاصلہ دوسرے پھینکنے والے سے زیادہ ہی ہوگا۔ اس کی قطعی مسافت کا فیصلہ ناممکن ہے۔

تاہم اگر یہ روایت سنداً صحیح ہوتی تو ایک اوسط درجے کی مسافت کو حد قرار دیا جا سکتا تھا جیسا کہ بعض علماء نے بطور احتیاط اس مسافت کو بطور سترہ قرار دیا بھی ہے۔] 12[

تیسرا موقف یہ ہے کہ نماز کی جو حد ہے، یعنی جہاں سترہ قائم کرنے کا حکم ہے، اس کے آگے سے گزر سکتا ہے، اس کے اندر سے گزرنا منع ہے۔ (فتاویٰ غازی پوری)

نبی ﷺ کے آگے جو نیزہ بطور سترہ رکھا گیا، اس کے آگے سے لوگ اور جانور گزرتے تھے۔[13] حافظ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’سترہ قائم کرنے کی جگہ سجدہ گاہ کے آگے ہے جو قریب ڈھائی تین ہاتھ کے ہے۔‘‘

حافظ صاحب دو اور روایات سے استدلال کرتے ہیں:

”...1 نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کعبہ کے اندر داخل ہوتے تو سامنے کی دیوار تقریباً تین ہاتھ رہ جاتی تو نماز پڑھتے تھے۔ اس طرح آپ اس جگہ نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے جس کے متعلق بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے وہیں نماز پڑھی تھی۔] “ 14[

”...2 سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی جائے نماز اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کے برابر جگہ ہوتی تھی۔] “ 15[

اس کے بعد فتح الباری کے حوالے سے حافظ صاحب، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

’’ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ وہ کم از کم جگہ ہے جو نمازی اور سترے کے درمیان ہونی چاہیے یعنی بکری کے گزرنے کے برابر۔ ایک قول کے مطابق اس کی کم از کم مقدار تین ہاتھ ہے... امام داودی نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ اس کی کم از کم مقدار بکری کے گزرنے کے برابر اور زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ ہے۔ بعض اہل علم نے اس طرح بھی دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے کہ پہلی کیفیت قیام اور قعدے کے وقت ہے اور دوسری رکوع و سجود کے وقت ہے... سترے کے قریب ہونے کا حکم بھی حدیث میں مروی ہے جس میں اس کی حکمت بھی بیان ہوئی ہے کہ ”جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھے تو سترے کے قریب ہو جائے، کہیں شیطان اس پر اس کی نماز کو قطع نہ کر دے۔“ اور یہ حکم ہے کہ اگر کوئی نماز اور اس کے سترے کے درمیان سے گزرے تو نمازی اس کو جس طرح ہو سکے روکے۔ اس روایت کا پورا متن نقل کر کے حضرت غازی پوری فرماتے ہیں:

’’ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازی کی نماز کی جگہ کی حد اُس کے کھڑے ہونے کی جگہ سے سجدہ گاہ تک ہے، اس کے درمیان سے گزرنا منع ہے اور اس کے آگے سے درست ہے۔]“16[

یہ مجموعہ فتاویٰ آج تک قلمی اور بعض کتب خانوں میں محفوظ تھا، اللہ بھلا کرے علمائے اہل حدیث کے پروانے، احیائے مآثر سلف کے جذبہ صادقہ سے سرشار جناب عارف جاوید محمدی (کویت) اور ان کے محترم رفقائے گرامی کا کہ جن کی مساعی حسنہ سے یہ دُرِّنایاب بھارت سے پاکستان پہنچا اور انھی حضرات گرامی قدر کے تعاون سے ابھی حال ہی میں زیور طباعت سے آراستہ ہو

کر اہل علم اور قدر دانوں کے ہاتھوں میں پہنچا۔ حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی کی مساعی بھی قابل تحسین ہیں جو کویت کے ریگستانوں کے بنے ہوئے خاکوں میں رنگ روغن بھرنے میں شب وروز مصروف ہیں۔

حفظھم اللہ تعالیٰ وشکر مساعیھم وبارک في جھودھم، آمین۔

یہ چند سطور تو بے اختیار ان کی مخلصانہ خدمات جلیلہ کے اعتراف میں نوک قلم پر آ گئی ہیں، ورنہ گفتگو تو سترے کے موضوع پر ہو رہی تھی۔ گزشتہ رائے گویا ایک صدی قبل کے اہل حدیث مفتی، محقق اور عالم کا نتیجۂ تحقیق ہے۔

یہی رائے عصر حاضر کے محقق، مفتی اور عالم مولانا امین اللہ پشاوریؒ کی بھی ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جب گزرنے والے کی بابت روکنے کا حکم ہے تو سترے کی حد تین ہاتھ کے برابر ہی ہو گی اور یہ بھی حکم ہے کہ سترہ زیادہ فاصلے پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ قریب ہونا چاہیے۔ تین ہاتھ کی مقدار ہی ایسی ہے کہ نمازی اپنے آگے سے گزرنے والے کو (سترہ نہ ہونے کی صورت میں) روک سکتا ہے۔ اس سے زیادہ فاصلے سے گزرنے والے کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا تین ہاتھ سے زیادہ فاصلے سے گزرنا جائز ہو گا۔ اس سے زیادہ فاصلے سے گزرنے والے کو روکنا نہ ممکن ہے اور نہ حکم ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دے سکتا جو انسان کی حد طاقت سے باہر ہو اور جب یہ حکم نہیں دیا گیا تو اس کا صاف مطلب یہی ہو گا کہ تین ہاتھ کی مقدار سے آگے گزرنا جائز ہے اور ایسا شخص اس وعید کا مستحق نہیں ہو گا جو نمازی کے آگے سے گزرنے والے کی بابت وارد ہے۔] 17[

3... سعودی عرب کے کبار علماء کی رائے بھی یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ چنانچہ مفتی اعظم اور مجتہد و محقق شیخ ابن باز کی رائے فتح الباری کے حاشیے میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ومتى بعد المار عما بين يدى المصلي إذا لم يلق بين يديه سترة سلم من الإثم، لإنه إذا بعد عنه عرفا لا يسمى مارا بين يديه كالذي يمر من وراء السترة

’’جب نمازی کے آگے سترہ نہ ہو تو دور سے گزرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا، اس لیے کہ دور سے گزرنے والے کو عرف میں نمازی کے آگے سے گزرنے والا نہیں کہا جاتا، دور سے اس کا گزرنا ایسے ہی ہے جیسے وہ سترے کے باہر سے گزر رہا ہے۔]‘‘18[

اور دور سے مراد تین ہاتھ کی مقدار سے زیادہ فاصلے سے گزرنا ہے، جیسا کہ اوپر وضاحت گزری۔

حافظ ابن حزم کی رائے بھی یہی ہے، چنانچہ محلیٰ میں ہے:

من مر أمام المصلى و جعل بينه و بينه اكثر من ثلاثة اذرع فلا إثم على المار و ليس على المصلي منعه، فان مر أمامه على ثلاثة أذرع فاقل فهو آثم إلا أن تكون سترة المصلى أقل من ثلاثة أذرع فلا حرج على المار في المرور وراءها أو عليها . . . لم نجد في البعد عن السترة أكثر من هذا، فكان هذا حد البيان في أقصى الواجب من ذلك۔

’’جو اپنے اور نمازی کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ کا فاصلہ رکھ کر گزرے تو ایسا شخص گناہ گار نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے روکنا نمازی کے لیے ضروری ہوگا۔ اگر تین ہاتھ کے فاصلے سے یا اس سے کم فاصلے سے کوئی گزرے تو گزرنے والا گناہ گار ہوگا، الاّ کہ نمازی کا سترہ ہی تین ہاتھ سے کم پر ہو تو اس صورت میں سترے کی دوسری جانب یا اس کے اوپر سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا... سترے اور نمازی کے درمیانی فاصلے کی حد اس سے زیادہ ہمارے علم میں نہیں ہے، اس لیے سترے کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ تک ہونا چاہیے۔]‘‘19[

شیخ ابن عثیمین اس مسئلے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و أقرب الأقوال: ما بين رجلين و موضع سجوده، و ذلك لأن المصلي لا يستحق أكثر مما يحتاج إليه في صلاته، فليس له الحق أن يمنع الناس مما لا يحتاجه

’’تمام اقوال میں صحت کے زیادہ قریب قول یہ ہے کہ سترہ نمازی کے پیروں اور سجدہ گاہ کے فاصلے پر ہو، کیونکہ اتنے فاصلے سے ہی وہ ہاتھ سے گزرنے والے کو روک سکتا ہے، اور اس سے زیادہ فاصلے سے تو روکنا ممکن ہی نہیں ہے۔ تو نمازی کو کس طرح اس کا پابند بنایا جا سکتا ہے جو اس کے امکان ہی میں نہیں ہے۔ اور جب ایسا ہے تو اس کو اس سے زیادہ فاصلے سے گزرنے والے کو روکنے کا حق ہی نہیں ہے۔]"20[

خلاصۂ بحث:

ان تمام اقوال سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ نمازی کو نماز پڑھتے وقت دیوار یا ستون کو سترہ بنا کر یا کسی جانور (اونٹ وغیرہ) کو بٹھا کر نماز (سنتیں وغیرہ) پڑھنی چاہیے، فرض نماز انفرادی ہو تب بھی۔ اور اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو مسجد یا غیر مسجد، ہر جگہ اپنے آگے تین ہاتھ یا مزید ایک بالشت زیادہ کے فاصلے پر سترہ رکھے اس فاصلے کے درمیان سے گزرنا ناجائز اور اس سے زیادہ فاصلے سے گزرنا جائز ہوگا۔ اور ایسا شخص گزرنے کی وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

حدیث:

لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه، لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه

میں ’بین یدیہ‘ (نمازی کے آگے) کے الفاظ سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔[21] کیونکہ "آگے" سے مراد نمازی کے پیروں اور سجدہ گاہ کے درمیان کا فاصلہ ہے، اس سے زیادہ فاصلہ "آگے" کی ذیل میں نہیں آتا۔

دیگر علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ:

آخر میں چند دیگر کبار علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ درج کیے جاتے ہیں:

ان میں صاحب "سبل السلام" اور صاحب "عون المعبود" کی بھی یہی رائے نقل کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا محمد علی لکھوی کا بھی فتویٰ ہے جس میں اسی موقف کی تائید

ہے۔ یہ مولانا محمد علی لکھوی بھی ہمارے کبار علماء میں سے ہیں جنھیں آج کل کے نوجوان علماء شاید نہ جانتے ہوں۔ یہ مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی کے والد محترم ہیں۔ پاکستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے، وہیں مستقل سکونت اختیار کی اور ایک عربی خاتون سے شادی کر لی تھی جس سے ان کے دو بیٹے حسن اور حسین ہیں۔ وہیں ان کی وفات ہوئی اور اسی سرزمین مقدس ہی میں آسودۂ خواب ہیں، رحمہ اللہ تعالی۔

ان میں مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی اور مخدومی و مربی حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے فتاوی ہیں جن میں اگرچہ اسی موقف کی تائید ہے تاہم بطور احتیاط مذکورہ مقدار سے کچھ زیادہ کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ یہ تفصیل حسب ذیل ہے:

نمازی اور سترے میں فاصلہ:

_ نمازی اگر بغیر سترے کے نماز پڑھ رہا ہو تو گزرنے والا کتنے فاصلے پر سے نمازی کے آگے سے گزر سکتا ہے؟

_ مرفوع حدیث میں فاصلہ کی حد بندی مصرح تو میرے علم میں ثابت نہیں، البتہ 'بین یدی المصلی' کا لفظ بظاہر یہ چاہتا ہے کہ محل سترہ سے باہر سے اگر گزر جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر احتیاطی طریقہ اختیار کرے تو بہتر ہے۔ (محمد علی از مرکز الاسلام، لکھو کی)

مجیب لبیب نے جس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی شرح میں صاحب سبل السلام نے تحریر فرمایا ہے:

'والحديث دليل على تحريم المرور ما بين موضع جبهته في سجوده وقدميه

یہ حدیث دلیل ہے کہ سجدے کی جگہ اور قدموں کے درمیان والی جگہ سے گذرنا حرام ہے۔][22

ہاں ایک روایت میں 'رمیۃ الحجر' کا لفظ آیا ہے اس میں گو ضعف اور معنی کے لحاظ سے محتمل ہے۔ لیکن (احتیاطی طریقہ کے لیے) مفید ہو سکتی ہے ایسے مسائل میں کسی فریق پر تشدد سے بچنا انسب ہے۔ واللہ اعلم (احقر محمد عطاء اللہ بھوجیانی 18 ربیع الثانی 1352ھ)

تبصرہ محدث روپڑی:

حدیث ابو داود میں 'قذفۃ بحجر' کا لفظ ہے یعنی پتھر پھینکنے بقدر آگے سے گزر جانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر ایک دوسری حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جو یہ ہے:

إذ جعلت بين يديك مثل مؤخرة الرحل فلا يضرك من مر بين يديك

' 'یعنی پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر آگے کوئی شے ہو اور پھر کوئی تیرے آگے سے گزر جائے تو کوئی حرج نہیں"۔][23

اس حدیث پر عون المعبود میں لکھا ہے:

ثم المراد من مر بين يديك بين السترة و القبلة لا بينك و بين القبلة

' 'یعنی آگے سے مراد سترہ اور قبلہ کے درمیان ہے نہ نمازی اور سترہ کے درمیان"۔

اس سے معلوم ہوا کہ سبل السلام والے کا یہ کہنا کہ پیشانی رکھنے کی جگہ اور پائوں کی جگہ کا درمیان مراد ہونے پر دلالت کرتی ہے یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ عون المعبود کی تشریح چاہتی ہے کہ محل سترہ سے بُعد میں آگے ہو پھر ضعیف حدیث پر عمل

کرنے میں احتیاط ہے۔ خاص طور پر جب کوئی دوسری روایت نہیں۔ نہ صحیح اور نہ ضعیف تو پھر دلیری بالکل اچھی نہیں۔][24

خانہ کعبہ (مسجد الحرام) میں نمازی کے آگے سے گزرنا؟

یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس کی بابت بعض علماء نے جواز کا موقف اختیار کیا ہے۔

چنانچہ "فتاوی اہل حدیث" (از محدث روپڑی) میں ہے:

بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنا درست ہے۔ منتقی میں حدیث ہے، مطلب بن ابی وداعہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ (بیت اللہ میں) باب بنی سلم کی جانب یعنی حجر اسود کے سامنے نماز پڑھتے تھے اور لوگ آگے سے گزرتے تھے۔ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف میں سترے کا حکم نہیں ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ وہاں ہر وقت طواف ہوتا ہے اور ہر وقت نماز ہوتی ہے اور ہجوم رہتا ہے، اس لیے سترے کا انتظام مشکل ہے۔

اس حدیث میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن سب مذاہب کا تعامل اس کا مؤید ہے اور اس کے ساتھ مجبوری کو بھی شامل کر لیا جائے (کہ ہجوم کی وجہ سے سترے کا وہاں انتظام مشکل ہے) تو اس سے اور تقویت ہو جاتی ہے۔ پس اس حدیث کی بنا پر بیت اللہ شریف سترے کے حکم سے مستثنیٰ ہو گا].25[

دوسرا موقف: یہ ہے کہ مسجد حرام میں (اگرچہ ہجوم کی وجہ سے اس میں مشکلات ہیں) بالخصوص غالباً جواز کے موقف کی وجہ سے لوگ اس کی اہمیت سے بالعموم غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں تاہم اس کے باوجود اس کا جواز محل نظر ہے۔ شرعی دلائل اس کے عدم جواز ہی کے مؤید ہیں۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

...1 سترے کے وجوب اور اہمیت پر مبنی جتنی احادیث ہیں، وہ مطلق ہیں، وہ جس طرح کھلی فضا اور مساجد وغیرہ ہر مقام کو شامل ہیں، اسی طرح ان میں مسجد حرام (بیت اللہ) بھی شامل ہے۔ کسی حدیث سے اس کا استثنا ثابت نہیں۔

...2 مطلب بن ابی وداعہ کی جس حدیث سے مسجد حرام میں سترہ نہ رکھنے پر استدلال کیا گیا ہے اس کے ضعف کا اعتراف تو کیا گیا ہے لیکن اس سے استدلال بھی کیا گیا ہے حالانکہ وہ روایت سخت ضعیف اور ناقابل استدلال ہے[26] 3... علاوہ ازیں اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے، تب بھی اس سے استدلال جائز نہیں ہوگا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں:

قدتقرر في الأصول أن فعله لايعارض القول الخاص بنا، وتلك الأوامر السابقة خاصة بالأمة، فلايصلح هذا الفعل أن يكون قرينة لصرفها

' 'اصول میں یہ بات طے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل آپ کے ان قولی احکام کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا جن کا آپ نے خاص طور پر حکم دیا ہے اور سابقہ احادیث جن میں امت کو بالخصوص سترے کا حکم ہے، آپ کا فعل اس بات کا قرینہ (دلیل) نہیں ہو سکتا کہ وہ قولی حدیث سے ثابت شدہ حکم کو اس کے مصرف سے پھیر دے۔"[27] 4 صحیح احادیث سے نبی ﷺ کا مسجد حرام میں بھی سترہ رکھنے کا اہتمام ثابت ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اعتمر رسول اللہ ﷺ فطاف بالبيت وصلى خلف المقام ركعتين ومعه من يستره من الناس

" نبی ﷺ نے اپنے عمرے میں بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا فرمائیں اور آپ کے ساتھ ایسے لوگ تھے جو لوگوں کے لیے سترہ تھے۔]"28[

رسول اللہ ﷺ کا یہی عمل حضرت جابر حجۃ الوداع کے موقع پر بیان فرماتے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حتی اذا اتینا البیت معہ، استلم الرکن فرمل ثلاثا و مشی اربعا، ثم تقدم إلی مقام إبراھیم فقرأ

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى

البقرۃ-125

فجعل المقام بینہ وبین البیت

' 'یہاں تک کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ آئے، آپ نے رکن کا استلام کیا اور تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلے، پھر مقام ابراہیم پر آکر آیت {وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى}[البقرۃ:125] پڑھی اور (دو رکعت ادا کرنے کے لیے) آپ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا۔[29]" گویا اس طرح سترے کا اہتمام کر لیا۔

آپ نے جب کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی تو کعبہ کی دیوار کو سترہ بنایا تھا، دیوار کعبہ اور آپ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا۔]30[

5 سیدنا انس بن مالک کا عمل: جناب انس بن مالک t ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا عمل بھی مسجد حرام میں سترہ رکھنے کا مؤید ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں:

رأیت انس بن مالك فی المسجد الحرام قد نصب عصا یصلی إلیھا

’ ’میں نے انس بن مالک کو دیکھا: انھوں نے مسجد حرام میں لاٹھی کھڑی کی، اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھی۔]"31[

مذکورہ دلائل کی روشنی میں واضح ہے کہ مسجد حرام (بیت اللہ) میں بھی سترے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بلاشبہ وہاں نمازیوں کا ہر وقت بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض علما نے کثرت ہجوم کی وجہ سے اس کا جواز بھی تسلیم کر رکھا ہے جس کی وجہ سے لوگ وہاں بالعموم اس کی پروا نہیں کرتے۔ لیکن ازدحام (کثرت ہجوم) یا لوگوں کا پروا نہ کرنا، سترہ نہ رکھنے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ شرعی دلائل خانہ کعبہ میں بھی سترہ رکھنے ہی کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم وأکمل۔

چند ضروری وضاحتیں:

1 بلی کے گزرنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسے سیاہ کتے، عورت وغیرہ کے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے۔ (کما مرّ)

2 قطع سے مراد خشوع میں کمی نہیں بلکہ نماز کا ٹوٹ جانا ہے۔ (کما مرّ)

3 عورت سے مراد بالغہ عورت ہے۔ نابالغ بچی کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔

4 عورت، سیاہ کتے وغیرہ کے گزرنے سے نماز ٹوٹے گی۔ لیکن اگر یہ چیزیں نمازی کے آگے بیٹھی یا لیٹی ہوئی ہوں تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ سیدہ عائشہ لیٹی ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔

[2] صحیح البخاري، کتاب الصلاۃ، باب سترۃ الإمام سترۃ من خلفہ۔

[3] ملاحظہ ہو فتاوی الدین الخالص از مولانا امین اللہ پشاوری: 3/554۔

[4] یہ دونوں روایات صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب سترۃ المصلي وباب منع المار بین یدي المصلي، میں ہیں

[5] صحیح البخاری: کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ إلی الاسطوانۃ۔

[6] صحیح البخاری: باب قدر کم ینبغی ان یکون المصلی والسترۃ۔

[7] صحیح المسلم: کتاب الصلاۃ، باب قدر مایستر المصلی

[8] السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی، 7/959، حدیث: 3333

[9] سنن ابی داود، حدیث: 710 و دیگر کتب احادیث

[10] سنن ابی داود، حدیث: 719-720

[11] ضعیف سنن أبي داود للألبانی، رقم الحدیث: 137-704، ص: 65-66، طبع 1991ء

[12] فتاوی اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی: 2/116، طبع اول

[13] صحیح البخاری، حدیث: 369

[14] صحیح البخاری، حدیث: 484

[15] صحیح البخاری، حدیث: 474

[16] مجموعہ فتاوی استاذ الاساتذہ حافظ محمد عبد اللہ محدث غازی پوری، متوفی 1337ھ، ص: 206

[17] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاوی الدین الخالص: 3/563-570

[18] فتح الباري: 1/753، طبع دار السلام

{ FN 677 } [19] بحوالہ فتاوی الدین الخالص: 3/565

[20] الشرح الممتع: 3/340

[21] البخاري (510)، المسلم) 507(

[22] سبل السلام: باب سترۃ المصلی ج 1/ص 143

[23] عمدۃ القاری۔ شرح صحیح البخاری: باب سترۃ الامام سترۃ من خلفہ، ج 7 صفحہ 222

[24]عبد اللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ، مورخہ 19ربیع الثانی 1353ھ، 12/ اگست 1933ء، فتاویٰ اہل حدیث:2/116، طبع اول

[25]فتاوی اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی:2/116-117، طبع اول

[26]تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "المنتقی" کی شرح "نیل الاوطار" (باب دفع الماروما علیہ من الاثم...:3/9، طبع مصطفی البابی الحلبی، مصر۔ فتاوی الدین الخالص:3/572،571)

[27]نیل الاوطار، باب مذکور، ص:7-9

[28]صحیح البخاري: کتاب الحج، باب من لم یدخل الکعبۃ، حدیث:1600

[29]صحیح المسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی:1218

[30]صحیح البخاری، حدیث:1599

[31]مصنف ابن ابی شیبہ:1/277، اسنادہ صحیح

(2) علامات قیامت کی تفسیر وتطبیق کے شرعی اصول اورضابطے

الشیخ خالد حسین گورایہ حفظہ اللہ

علامت سے مراد وہ نشانیاں ہیں جن کے ظہور سے ایک مومن قیامت کے قرب کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اور ان کے مشاہدے سے اسے اس یوم عظیم کے قیام کا پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ ایک دن اس نے رب تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونا ہے۔ اور اپنے کیے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔

شرعی نصوص میں وارد قیامت سے مراد اور اس کی قسام:

شرعی نصوص میں تین طرح کی قیامت کا ذکر آیا ہے۔

پہلی قسم: قیامتِ کبریٰ (جسے الساعۃ الکبریٰ) کہا جاتا ہے۔ جس میں تمام دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور کائنات میں موجود ہر چیز نیست ونابود اور ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گی، جس کے بارے میں قرآن مجید نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ

القمر–46

ترجمہ: "اور قیامت بڑی دہشت ناک اور تلخ تر ہے"۔

اور فرمایا:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

القصص–88

"اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے"۔

دوسری قسم: ایک ہی صدی میں موجود تمام لوگوں کی موت کو بھی چند نصوص میں قیامت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں ہے جب آپ نے سیدنا عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا:

"إن يطل عمر هذا الغلام لم يمت حتى تقوم الساعة"

" اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو اگر دراز عمر دی تو اس کی موت تک تم پر قیامت قائم ہو چکی ہو گی"۔[2]

"كان رجال من الأعراب يأتون النبي ﷺ فيسألونه عن الساعة فكان ينظر إلى أصغرهم فيقول إن يعش هذا لا يدركه الهرم حتى تقوم عليكم ساعتكم"

ترجمہ: "سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ کچھ دیہاتی لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا کرتے اور یہ پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ یہ سن کر اس بچے کی طرف دیکھتے جو ان پوچھنے والوں کے ساتھ سب سے کم عمر ہوتا تھا اور پھر فرماتے کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا تو یہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے نہیں پائے گا کہ تم پر تمہاری قیامت قائم ہو جائے گی"۔[3]

تیسری قسم: کسی فرد کی موت کو بھی قیامت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ہر انسان کی قیامت اس کی موت کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا

الانعام–31

ترجمہ: "بلاشبہ جن لوگوں نے اللہ سے ملاقات (کی حقیقت) کو جھٹلایا وہ نقصان میں رہے حتیٰ کہ جب قیامت اچانک انہیں لے گی تو کہیں گے، افسوس اس معاملہ میں ہم سے کیسی تقصیر ہوئی"۔

یہ جو حسرت انسان کو لاحق ہو گی یہ حسرت موت کے وقت بھی ہو گی اور روز قیامت بھی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

قال علماؤنا: واعلم أن كل ميت مات فقد قامت قيامته ولكنها قيامة صغرى وكبرى فالصغرى هي ما يقوم على كل إنسان في خاصته من خروج روحه وفراق أهله وانقطاع سعيه وحصوله على عمله إن كان خيراً فخير وإن كان شراً فشر والقيامة الكبرى هي التي تعم الناس وتأخذهم أخذة واحدة والدليل على أن كل ميت يموت فقد قامت قيامته قول النبي ﷺ لقوم من الأعراب وقد سألوه متى القيامة؟ فنظر إلى أحدث إنسان منهم فقال: (إن يعش هذا لم يدركه الهرم قامت عليكم ساعتكم)

اہل علم فرماتے ہیں: ”جو شخص بھی فوت ہو جاتا ہے اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے لیکن قیامت ایک قیامتِ صغریٰ ہے، اور ایک کبریٰ، قیامتِ صغریٰ وہ ہے جو ہر انسان کے ساتھ خاص ہے جس کا آغاز اس کی روح نکلنے، اہل وعیال کو داغِ مفارقت دینے، عمل کا سلسلہ منقطع ہونے اور اپنے عمل کی جزا پانے سے ہوتا ہے کہ اگر خیر ہے تو خیر اور شر ہے تو شر۔ اور قیامتِ کبریٰ وہ قیامت ہے جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور یک لخت نظام زندگی کو درہم برہم کر دے گی۔ اور اس امر کی دلیل کہ ہر انسان کی موت سے اس کی قیامت بپا ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے جو آپ نے چند اعراب کے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا جب آپ سے پوچھا گیا کہ قیام کب قائم ہو گی؟ تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک نوخیز جوان کو دیکھا اور اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”اگر یہ زندہ رہا تو اس کے بوڑھے ہونے تک تم لوگوں پر قیامت قائم ہو چکی ہو گی“۔[4][5]

علامات قیامت کی اقسام:

امام محمد السفارینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" اعلم أن أشراط الساعة وأماراتها تنقسم إلى ثلاثة أقسام: قسم ظهر وانقضى، وهي الأمارات البعيدة. وقسم ظهر ولم ينقض، بل لا يزال في زيادة حتى إذا بلغ الغاية ظهر القسم الثالث، وهي الأمارات القريبة الكبيرة التي تعقبها الساعة، وأنها متتابعة كنظام خرزات انقطع سلكها."

ترجمہ "جان رکھو کہ قیامت کی علامات اور اس کی نشانیاں تین طرح کی ہیں :"ایک قسم وہ جو ظاہر ہو کر گذر چکی ہیں اور یہ امارات بعیدۃ ہیں۔ دوسری قسم وہ جو ظاہر تو ہو چکی ہیں لیکن ابھی وہ ختم نہیں ہوئیں (بلکہ ان کا تسلسل ابھی جاری وساری ہے) اور یہ بڑھتی جاتی ہیں یہاں تک کہ تیسری قسم کی علامات کا ظہور شروع ہو جائے گا۔ اور تیسری قسم کی وہ علامات ہیں جو قیام قیامت کے عین قریب واقع ہوں گی اور ان کے متصل بعد قیامت قائم ہو جائے گی اور یہ علامات پے در پے ظاہر ہو رہی ہیں ایسے موتیوں کی طرح جن کی لڑی ٹوٹ چکی ہو (اور وہ) ایک ایک کر کے گر رہے ہوں "۔[6]

علاماتِ صغریٰ: سے مراد وہ علامتیں ہیں جو واقع ہو چکی ہیں اور ان کے وقوع پذیر ہونے کا زمانہ بھی کئی صدیاں پہلے گذر چکا ہے۔ ان علامات میں بطور مثال چند ایک یہ ہیں:

) ۱ (نبی کریم ﷺ کی بعثت

آپ ﷺ نے فرمایا:

"بعثت أنا والساعة كهاتين."

' "آپ ﷺ نے (شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی) کو ملا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا مجھے اور قیامت کو اس طرح ایک ساتھ بھیجا گیا ہے۔[7]

یعنی جتنا فاصلہ ان دو انگلیوں کے مابین کا بنتا ہے اتنا ہی فاصلہ میرے اور قیامت کے درمیان ہے"۔

(2) حجاز کی زمین سے آگ کا نکلنا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت نہ قائم ہو گی یہاں تک کہ نکلے گی ایک آگ حجاز کے ملک سے، روشن کر دے گی بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو۔"[8] (یعنی اس کی روشنی ایسی تیز ہو گی کہ عرب سے شام تک پہنچے گی، حجاز مکہ اور مدینہ کا ملک اور بصریٰ ایک شہر کا نام ہے)۔

(3) جھوٹے نبیوں کا ظہور:

یہ بھی تاریخ سے ثابت ہو چکا کہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ ظاہر ہوتے رہے جو گاہے بگاہے نبوت کا دعویٰ کرتے رہے۔

علاماتِ وسطیٰ: سے مراد وہ علامات ہیں جن میں سے بعض ظاہر ہو چکی ہیں اور ان کے ظہور کا سلسلہ متواتر جاری و ساری ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(1) نااہل، احمق اور کمینے لوگوں کا زمام حکومت سنبھالنا۔

(2) لوگوں کا مساجد بنانے اور ان کی تزئین و آرائش کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا۔

(3) علم کا اٹھ جانا، جہالت کا عام ہونا، کثرت سے شراب کا پیا جانا وغیرہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

' 'انہوں نے (قتادہ) سے کہا (آج) میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ میرے بعد کوئی تم سے بیان نہیں کرے گا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم کم ہو جائے اور جہل غالب آجائے اور زنا اعلانیہ ہونے لگے اور عورتوں کی کثرت اور مردوں

کی قلت ہوجائے گی، یہاں تک پہنچے کہ پچاس عورتوں کا کفیل صرف ایک مرد ہوگا"۔][9]

علامات کبریٰ: یعنی بڑی علامتیں ان کے ظہور کے بعد دنیا کا قیامت سے فاصلہ بہت کم رہ جائے گا۔ بلکہ چند علامات تو ایسی ہیں کہ عین انتہا پر نمودار ہوں گی ۔

ان علامات میں دجال کا ظہور، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، امام مہدی کا ظہور، یاجوج ماجوج کا نکلنا، زمین سے ایک جانور کا نکلنا، مغرب سے سورج کا طلوع ہونا وغیرہ شامل ہیں۔

علامات قیامت کی تفسیر کے حوالے سے قائم نظریات:

علامات قیامت تفسیر حوالے سے لوگوں میں بہت سی آراء اور نظریات پائے جاتے ہیں۔

پہلا نظریہ: علامات قیامت کا کلیۃً انکار ہے۔ اس باب میں بھی دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جو تمام علامات کے انکاری ہیں اور بعض وہ ہیں جو تمام علامات کا انکار تو نہیں کرتے لیکن چند علامات کا انکار کرتے ہیں۔

جیسے بعض خوارج، بعض جہمیہ اور بعض معتزلہ اور عقلانیوں کی اکثریت نے خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام، یاجوج ماجوج کا نکلنا اور زمین سے جانور کے نکلنے کا انکار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَقَدْ خَالَفَ فِي ذَلِكَ بَعْضُ الْخَوَارِجِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ فَأَنْكَرُوا وُجُودَهُ وَرَدُّوا الأَحَادِيثَ الصَّحِيحَةَ، وَذَهَبَ طَوَائِفُ مِنْهُمْ كَالْجُبَّائِيِّ إِلَى أَنَّهُ صَحِيحُ الْوُجُودِ، لَكِنْ كُلُّ الَّذِي مَعَهُ مَخَارِيقُ وَخَيَالَاتٌ لَا حَقِيقَةَ لَهَا. "

’ ’دجال کے مسئلے میں بعض خوارج اور معتزلہ اور جہمیہ نے اختلاف کیا ہے جس کی بنا پر انہوں نے اس کے ظہور کا انکار کیا ہے اور اس باب میں وارد صحیح احادیث کو رد کر دیا، ان میں سے چند گروہ جیسا کہ جبائی (معتزلی) ہے نے اس کے وجود کو تسلیم کیا ہے لیکن اس کا یہ کہنا ہے کہ دجال کے ساتھ جو بھی خلاف عادت امور اور شعبدہ بازیاں ہوں گی ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے“۔]10[

عصرِ حاضر میں عقل پرستوں میں سے جن لوگوں نے خروج دجال وغیرہ کا انکار کیا ان میں سر فہرست مصر کے محمد عبدہ اور دیگر محمد فہیم ابو عبیہ، محمود أبوریہ، محمد فرید وجدي، عبدالرزاق نوفل، أحمد أمین، انجینئر جواد عفانہ اور اہل قرآن (جن میں عبداللہ جکڑالوی اور اس کے ہمنوا شامل ہیں)]11[۔

دوسرا نظریہ: علامات قیامت کے حوالے سے دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے ان علامات کی اپنی من مانی تفسیر کی ہے جیسا کہ پرویزی فرقے کے نزدیک الساعۃ سے مراد یوم انقلاب ربوبیت ہے۔ اور قیامت کے دن وزن اعمال کا مطلب یہ ہے کہ جب نظام ربوبیت قائم ہو جائے گا تو ”کسی مزدور کی محنت میں کوئی کمی نہیں کر سکے گا اور محنت کرنے والے کی محنت کا ذرہ ذرہ نتیجہ خیز ہو گا۔ اس کا حساب زمیندار یا سرمایہ دار نہیں کیا کرے گا کہ محنت کش کا حصہ کیا ہے اور اس کا حصہ کتنا ہے؟]“ 12[

بعض نے دجال سے مراد یہ لیا ہے کہ مغرب میں شر کی علامت دجال ہے اور خیر کی علامت عیسیٰ علیہ السلام ہے، یعنی ان کے نزدیک مہدی اور عیسیٰ علیہا السلام سے مراد خیر کا شر پر غالب آنا ہے اور دجال سے مراد

فتنہ کا پروان چڑھنا اور ایک وقت میں گمراہی و شر کا بول بالا ہونے سے مراد جال ہے۔]13[

علامت قیامت سے متعلق اہل سنت والجماعت کا نظریہ:

اہل سنت والجماعت جنہیں اہل حدیث بھی کہا جاتا ہے ان کا نظریہ جو علامات قیامت کے حوالے سے قائم ہے اسے چند نکات میں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(1) علامات قیامت کا مصدر صرف اور صرف قرآن و حدیث ہے باب اجتہاد کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ یہ باب اخبار پر قائم ہے جس کا مستند ترین ذریعہ صرف اور صرف کتاب و سنت ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی بھی ذریعہ چاہے وہ اسرائیلی روایات کی شکل میں ہو یا فردی آراء ان کی علامات قیامت کے ثبوت میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس منہج کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"فهذا كتاب الفتن والملاحم في آخر الزمان، مما أخبر به رسول الله، وذكر أشراط الساعة، والأمور العظام التي تكون قبل يوم القيامة، مما يجب الإيمان به؛ لإخبار الصادق المصدوق عنها الذي لا ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى(

" یہ آخری زمانے میں نمودار ہونے والے ان فتنوں اور شر و فساد کے بیان پر مشتمل کتاب ہے جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے۔ اس میں قیامت کی علامات اور ان امور عظام کا بیان بھی ہے جو قیامت سے قبل رونما ہوں گے۔ جن پر ایمان لانا واجب ہے، کیونکہ ہمیں اس کی خبر اس صادق و مصدوق ہستی نے دی ہے جو اپنی رائے سے کوئی بات نہیں کرتے بلکہ یہ سب وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے "۔]14[

(2)علامات قیامت کے بیان کا مقصد لوگوں کو بری عاقبت سے ڈرانا اور اور انہیں غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ نہ کہ دیومالائی قصوں کی طرح انہیں پڑھنا اور پڑھانا اور اپنی پوائنٹ سکورنگ کیلئے ان کی تطبیق بیان کرنا ہے۔

علامہ ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

) ' 'فقد بعثني ما أخذه الله عز وجل من الميثاق والعهد على أهل العلم والرواية في نشر ما علموه، وأداء ما سمعوه، أن أجمع في هذا الكتاب جملة كافية من السنن الواردة في الفتن وغوائلها، والأزمنة وفسادها، والساعة وأشراطها، لكي يتأدب بها المؤمن العاقل، ويأخذ نفسه برعايتها ويجهدها في استعمالها، والتمسك بها، ويتبين له بذلك عظيم ما حل بالإسلام وأهله، من سفك الدماء، ونهب الأموال، واستباحة الحرم وغير ذلك مما يذهب الدين، ويضعف الإيمان، فيعمل نفسه في إصلاح شأنه خوفاً منه على فساد دينه وذهابه(

' 'اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق دی کہ اس میثاق کی رو سے جو اس نے اہل علم وروایت سے لیا ہے کہ انہوں نے جو سیکھا ہے اسے نشر کریں اور جو سنا ہے اسے آگے ادا کریں۔ اسی مشن کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے اس کتاب میں فتنوں کے حوالے سے وارد احادیث، زمانہ کے فساد کے حوالے سے اخبار اور قیامت اور اس کی علامات کے حوالے سے وارد سنن کی ایک کافی تعداد اس کتاب میں جمع کر دوں تا کہ ایک عقل مند مومن خود کو ان واقعات کی روشنی میں سدھارے، اور وہ اپنے نفس کی تہذیب واصلاح کرے اور ان نصوص کو سیکھنے میں محنت کرے، اور انہیں تھامنے واختیار کرنے کیلئے کاوش کرے، اس سے اسے معلوم ہوگا کہ اسلام اور اہل اسلام پر کیسے مصائب وآلام گزرے ہیں، جن میں خونریزی، ڈاکہ زنی، عزتوں کا داؤ پر لگنا وغیرہ شامل ہے ایسی چیزیں جو ایمان کو کمزور کرتی ہیں اور دین کے خاتمے کا باعث بنتی ہیں

۔ تو وہ انہیں پڑھ کر اپنے معاملات کو سدھارے گا اس ڈر سے کہ کہیں اس کا دین تباہ نہ ہو جائے اور اس کا ایمان کہیں ضائع نہ ہو جائے۔]15 [

اور علامہ صدیق حسن خان رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

' 'إن المراد من تأليف هذا الكتاب في هذا الزمان المملوء من الآفات، والأكدار بالشئ الكثير: حفظ جملة صالحة من الأحاديث الواردة في أبواب الفتن وأسبابها على المسلمين، على طريق الاختصار، وضبط أشراط الساعة التي وردت في الآثار، وذكرها عامة أهل الحديث في دواوينهم الكبار، تذكرة لأهل الغفلة والاغترار، وتبصرة لأولي البصائر والأبصار، فعسى أن ينتهوا عن بعض الذنوب، وينتبهوا عن سنة الغفلة، وتلين منهم قاسيات القلوب، ويغتنموا المهلة قبل الوهلة، كيف لا والدنيا قد ولت جدا وآذنت بالانصرام، ومرت بأهلها مر السحاب وهم نيام.(

' 'آفات و مصائب اور فتنوں سے بھرپور اس دور میں اس کتاب کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں پر در آنے والے فتنوں اور ان کے اسباب کے حوالے سے وارد صحیح روایات کی وافر تعداد اختصاراً جمع کر دی جائے، اور قیامت کی وہ علامات بھی بیان کر دی جائیں جو احادیث میں بیان ہوئی ہیں ، جنہیں اہل حدیث نے اپنے بڑے دواوین میں ذکر کیا ہے۔ اس کا مقصد ان لوگوں کو یاددہانی کرانا ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اور عقل و بصیرت رکھنے والے اس سے نصیحت پکڑیں۔ کاش کہ وہ ان کی وجہ سے بعض گناہوں سے باز آجائیں، اور غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائیں، سخت دل نرم پڑ جائیں، اور وہ لوگ اس مہلت کو غنیمت جانیں قبل اس کے کہ ان پر دھاوا بول دیا جائے۔ اور یہ کیسے نہ ہو کہ دنیا تو پلٹ کر جا رہی ہے اور رخصتی کا الارم بجا رہی ہے، اور دنیا اہل دنیا پر سے ایسے گذر گئی ہے جیسے بادل گذر جاتے ہیں اور لوگ سوتے رہے“۔]16[

(3) قیامت کے حوالے سے جو نصوص قرآن وحدیث میں ذکر ہوئی ہیں انہیں اپنی حقیقت پر محمول کرنا نہ کہ ان کا کوئی مجازی یا غیر حقیقی معنیٰ متعین کرنا ہے۔ جیسا کہ دجال کا ظہور ہے اہل سنت اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دجال ایک فرد ہے اس کی ہیئت اور صفات بالکل حقیقی صفات ہیں۔ اسی طرح زمین سے جانور کا ظہور اور بندے کا اپنے جوتے کے تسمے سے بات کرنا اور درخت کا یہ پکار کر کہنا کہ میرے پیچھے یہودی ہے اسے قتل کرو۔ یہ سب حقیقت ہے اس میں کسی قسم کا بھی مجازی معنیٰ نہیں ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کے ائمہ نے اپنی کتب میں اس نظریے کو بالکل وضاحت سے بیان فرمادیا ہے۔ جن میں امام ابن کثیر امام قرطبی وغیرہم شامل ہیں۔

(4) علامات قیامت کو سامنے رکھتے ہوئے انسان اپنے دین کی حفاظت کر سکتا ہے اور خود کو فتنوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے یہ بھی ان علامات کے بیان کے مقاصد میں سے ایک بنیادی مقصد ہے۔

اس نکتہ کو یوں سمجھا جائے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ہمیں دجال سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔ ہمیں یہ بتایا ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کیسی ہو گی اور اس کی باہنی آنکھ کیسی ہو گی؟ اس کی پیشانی پر کیا لکھا ہو گا۔ پھر یہ بھی ہمیں بتایا کہ وہ کون کون سی شعبدہ بازیوں کا اظہار کرے گا۔ آسمان سے کہے گا بارش برساؤ، زمین سے کہے گا اناج اگاؤ، مردوں کو زندہ کرنے، بیماروں کو شفا دینے کے کرتب دکھائے گا۔ ان تمام تفصیلات سے ہمیں اس لئے آگاہ کیا ہے تا کہ ہم اس کے اندھا کر دینے والے فتنوں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں اور اس کی چالوں سے خود کو بچا کر رکھیں۔

اس کی ایک تطبیقی مثال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ملاحظہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

’’یا عثمان إن اللہ مقمصک قمیصًا، فإن أرادک المنافقون علی خلعه، فلا تخلعه‘‘

’’اے عثمان اللہ تجھے ایک قمیص پہنائے گا۔ اگر منافق لوگ تجھ سے مطالبہ کریں کہ اسے اتار دو تو آپ اسے مت اتارنا‘‘۔]17[

اس قمیص سے مراد خلافت تھی۔ رسول ﷺ نے اشارہ سے بتایا کہ اللہ آپ کو خلافت نصیب کرے گا اور اگر منافق لوگ آپ سے خلافت چھوڑنے کا کہیں تو مت چھوڑیے گا۔ آپ ﷺ کے اس نشانی اور علامت بتانے اور ہدایت دینے کے مطابق ہی سیدنا عثمان نے برتاؤ کیا لہٰذا ان کی خلافت کے آخری ایام میں جب باغیوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ خلافت سے مستعفی ہو جائیں تو سیدنا عثمان نے شہید ہونا منظور کر لیا لیکن مستعفی نہیں ہوئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی گئی اس نصیحت پر عمل کیا۔

اسی طرح علامات قیامت کا تفصیلاً بیان کیا جانا اپنے اندر یہ مقصد لئے ہوئے ہے کہ اس کی تفصیلات پڑھ کر ہم اپنا ایمان محفوظ رکھ سکیں۔ والعلم عند اللہ

شرعی ضوابط کے بیان کا بنیادی مقصد:

ہم یہاں یہ بات واضح کرتے جائیں کہ ان ضوابط سے مراد یہ نہیں کہ کسی بھی حادثے کی تفسیر نہ کی جائے اور واقع ہونے والے حادثات سے کسی علامت قیامت کو بالکل میچ نہ کیا جائے۔ یہ مقصود نہیں بلکہ سلف جن میں صحابہ و تابعین شامل ہیں انہوں نے کئی علامات قیامت کی تفسیر و تطبیق بیان کی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے واضح کر دیا کہ علامات قیامت تین طرح کی ہیں ایک وہ جو ظاہر ہو چکی، دوسری وہ جو ہو رہی ہیں اور تسلسل سے ہوتی رہیں گی، اور تیسری وہ عظیم الشان علامات جن کے ظہور کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں جیسے ظہور دجال، نزول مسیح وغیرہ۔ بلکہ یہاں مقصد یہ ہے کہ ان علامات کو مخصوص اور متعین افراد پر لاگو کرنا، مخصوص حادثات کے ساتھ نتھی کرنا اور یہ کہنا فلاں ابن فلاں جو حدیث میں

وارد ہوا ہے وہ یہ شخص ہے۔ یا یہ کہنا کہ یہ جو واقعہ رونما ہوا ہے یہ وہی ہے جو علامت قیامت کی شکل میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا ہے۔ اور اسی پر اڑے رہنا وغیرہ۔ یا یہ کہ ان واقعات کی من مانی تفسیر بیان کرنا کہ دجال سے مراد شر کا غلبہ یا امریکہ ہے۔ اور دجلہ و فرات کے خزانے اگل دینے سے مراد پیٹرول کی کثرت وغیرہ ہے۔ ذیل میں وہ شرعی ضوابط بیان کیے جاتے ہیں جنہیں علامت قیامت کی تفسیر و تطبیق کے وقت ملحوظ خاطر رکھا جانا چاہیے۔

پہلا ضابطہ: قیامت کب قائم ہو گی اس کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے پاس ہے۔

قرآن و سنت کی نصوصِ کثیرہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کی جھلک یہاں ملاحظہ فرمائیں:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

الاعراف–187

ترجمہ: ”لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہو گی؟ آپ ان سے کہیے: ”یہ بات تو میرا پروردگار ہی جانتا ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا اور یہ آسمانوں اور زمین کا بڑا بھاری حادثہ ہو گا جو یکدم تم پر آن پڑے گا۔ لوگ آپ سے تو یوں پوچھتے ہیں جیسے آپ ہر وقت اس کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سے کہئے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے مگر اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے“۔

لہٰذا جن نظریات کے تحت بھی دنیا کی عمریں مقرر کی گئی ہیں کہ کسی نے کہا کہ دنیا کی عمر نبی ﷺ کے بعد پندرہ سو سال ہے، اور ایک مایہ تہذیب[18] کی دنیا کے خاتمے کے نظریہ کی رسوائی تو 2012 میں پوری دنیا نے دیکھی جن کا خیال تھا کہ 21 دسمبر 2012 کو مایہ تہذیب کا کلینڈر ختم ہوتے ہی دنیا ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح آج کی سائنس کی رو سے کچھ نظریات پیش کر کے دنیا کے خاتمے کا اندازہ لگایا جاتا ہے اس حوالے سے چند دن قبل ایک اہم خبر جسے عالمی میڈیا نے کوریج دی جس میں عیسائی راہبوں کے کچھ حلقوں نے دعویٰ کیا کہ 23 ستمبر 2017ء کو دنیا تباہ ہو جائے گی۔ ایک عیسائی ریسرچر ریڈیو ڈمیڈی نے دعویٰ کیا کہ انجیل میں دی گئی باتوں اور ہندسوں کے کوڈز کے حوالے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان میں 33 کا ہندسہ نمایاں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام 33 سال زندہ رہے، انجیل میں خدا کا ذکر 33 بار آیا، اکیس اگست کو مکمل سورج گرہن کے 33 دن بعد یعنی 23 ستمبر کو دنیا کو تباہ ہونا ہے"[19] لیکن یہ 23 ستمبر بھی گذر گیا۔ یہ سب بے بنیاد، جھوٹ اور فریب پر مبنی باتیں اور نظریات ہیں۔ کسی بھی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ ان نظریات کی تصدیق کرے یا اس پر تائیدی بحث و مباحثہ کرے۔ ایسا کرنے سے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی نصوص کثیرہ پر قائم ایمان کی دیوار زمین بوس ہو جائے گی۔

اس طرح کے جھوٹ پر مبنی بھونڈے دعوے اس سے قبل بھی بیشتر بار کئے جا چکے ہیں۔

ایسے ہی نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف محدث، مفسر و مؤرخ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يثبت في حديث عن النبي عليه الصلاة والسلام أنه حدد وقت الساعة بمدة محصورة، وإنما ذكر شيئًا من علاماتها وأشراطها وأمراتها."

" رسول اللہ ﷺ سے کسی ایک بھی حدیث میں یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے قیامت کی کسی مدت کا تعین کیا ہو، بلکہ آپ ﷺ نے تو محض اس کی چند علامات اور نشانیاں بیان کی ہیں"۔[20]

مزید فرماتے ہیں:

"والذي في كتب الإسرائيلين، وأهل الكتاب من تحديد ما سلف بألوف ومئات من السنين، قد نص غير واحد من العلماء على تخطئتهم فيه، وتغليطهم"

" ہاں جو باتیں اسرائیلیوں اور اہل کتاب کی کتابوں میں دنیا کی عمر کے تعین کے بارے میں ہیں کہ وہ ہزار ہا سال یا سینکڑوں سال ہے، تو اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد نے ان کے ان مفروضوں کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا ہے"۔[21]

لہٰذا اس ضابطے کی رو سے دنیا کی عمر کے تعین کے بارے قائم تمام مفروضوں اور نظریات کا انکار ایک مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ اور جو بھی قیام قیامت کے وقت جاننے کا دعویٰ کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

(2) فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا

الاحزاب–63

ترجمہ: "لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور آپ کو کیا خبر، شاید وہ قریب ہی آ پہنچی ہو"۔

(3) جناب جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا:

"فأخبرني عن الساعة قال ما المسؤول عنها بأعلم من السائل قال فأخبرني عن أمارتها قال أن تلد الأمة ربتها وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاة يتطاولون في البنيان قال ثم انطلق فلبثت مليا ثم قال لي يا عمر أتدري من السائل قلت الله ورسوله أعلم قال فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم"

ترجمہ: "مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے؟ آپ ﷺ نے عرض کیا کہ قیامت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ اس بات سے واقف نہیں ہے (یعنی سوال کرنے والے اور جواب دینے والے دونوں کو اس کے بارے میں علم نہیں ہے) اس نے عرض کیا: اچھا قیامت کی علامات بتایئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی علامات میں سے یہ بات ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور تو دیکھے گا کہ ننگے پاؤں ننگے جسم تنگ دست چرواہے بڑی بڑی عمارتوں پر اترائیں گے اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کچھ دیر تک ٹھہرا رہا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے"۔

دوسرا ضابطہ: علامات قیامت کی تفسیر میں بردباری، تحمل، سے کام لیا جائے اور اس میں عجلت جلد بازی اور جذبات سے پرہیز کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

"التأني من الله، والعجلة من الشيطان"

" بردباری و تحمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے"۔[23]

لہذا علامات قیامت کی عجلت میں تفسیر کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس معاملے کو اہل علم کی طرف لوٹایا جائے۔ قرآن مجید نے ہمیں اس حوالے سے بہت واضح ضابطہ دیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا

النساء–83

ترجمہ: "اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو پیغمبر اور اپنے اولی الامر کے پاس پہنچا دیتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو چند اشخاص کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے"۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فتنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

""تشتبه مقبلة وتبين مدبرة"

' 'جب فتنہ آتا ہے تو اس کا امر مشتبہ ہوتا ہے (یعنی ہر کوئی اسے نہیں پہچان پاتا) مگر جب وہ چلا جاتا ہے تو اس کی خطورت و تباہی واضح ہو چکی ہوتی ہے"۔[24]

شمر رحمہ اللہ اس اثر کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ جب آتا ہے تو اس کا معاملہ لوگوں پر مشتبہ ہو جاتا ہے بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہونے کے بعد بھی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں حتی کہ وہ اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ تباہی پھیلا کر چلا جاتا ہے تو جو بھی اس میں مبتلا ہوا ہوتا ہے اس پر بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ غلطی پر تھا"۔

لیکن جب سب تباہ ہو گیا تو پھر پچھتانے کا اور اعترافِ جرم کا کیا فائدہ۔

اب پچھتائے کیا ہوت

جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

سلف کی علاماتِ قیامت کی تفسیر میں احتیاط اس مثال سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے: حفص بن عیاث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قلت: لسفيان الثوري يا أبا عبد الله إن الناس قد أكثروا في المهدي۔ قال: "إن مر على بابك المهدي فلا تكن منه في شيء حتى يجتمع الناس عليه."

ترجمہ: "میں نے سفیان ثوری سے کہا کہ اے ابا عبد اللہ لوگوں نے امام مہدی سے متعلق بہت سی باتیں کی ہیں (یعنی ہر کوئی کہتا ہے کہ مہدی فلاں ہے فلاں ہے آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟) سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: "اگر مہدی کا گذر آپ کے دروازے کے سامنے سے بھی ہو جائے تو تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے جب تک کہ تمام لوگ اس پر جمع نہ ہو جائیں"۔[25]

یعنی جب تک سب لوگ اس کی بیعت نہ کر لیں تم اس معاملے میں جلدی نہ کرنا احتیاط کا دامن تھامے رہنا۔

لہٰذا جب بھی کوئی ایسا فتنہ یا علامت نظر آئے جس سے محسوس ہوتا ہو کہ شاید یہ وہی علامت نہ ہو جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث میں ہمیں خبر دی ہے تو اس معاملہ میں انتہائی محتاط رہنا چاہئے یہاں تک کہ تمام علامات مکمل طور پر ظاہر نہ ہو جائیں۔ اور اس طرح کے معاملات میں اپنے اجتہاد و قیاس کے بجائے علمائے ربانیین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

تیسرا ضابطہ: علامات قیامت میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کا تعلق تسلسل زمانہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے ان حادثات کو بالترتیب ذکر فرمایا ہے ہمیں بھی اس ترتیب زمنی ہی کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

اس ضابطے کا مفہوم یہ ہے کہ علامات قیامت دو طرح کی ہیں ایک وہ جن کی شریعت نے ترتیب متعین کی ہے کہ پہلے یہ ہوگا پھر یہ ہوگا اور پھر یہ ہوگا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو مطلق بیان کی گئی علامات ہیں ان میں زمانہ کی ترتیب کا کوئی ذکر نہیں۔ لہٰذا جب بھی علاماتِ قیامت کی تفسیر و توضیح کی جائے تو اس تقسیم کو ملحوظ رکھا جائے اور دیکھا جائے کہ یہ کون سے علامات میں سے ہے۔ آیا ان میں سے جو ترتیب وار مذکور ہیں یا یہ مطلق علامت ہے۔

اگرچہ اہل علم کے مابین قیامت کی بڑی علامات کی ترتیب کے بیان میں اختلاف ہے جمہور اہل علم نے یہ ترتیب یوں بیان فرمائی ہے۔

(1) چھوٹی علامات کا ظہور:

جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت، طاعون عمواس، مساجد کا سجایا جانا، عمارتوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا، امانت کا اٹھ جانا، جہالت عام ہونا، شرک کا ظہور، سنتوں میں لاپرواہی کرنا، فحاشی اور آلات موسیقی کا عام ہونا، زلزلوں کی کثرت، بارشوں کا زیادہ ہونا اور اناج کا کم ہو جانا، اچانک موت واقع ہو جانا، جھوٹی گواہی کا عام ہو جانا، قتلِ عام کا بڑھ جانا، کنجوسی کا عام ہونا، لوگوں کا کثرت سے موت کی تمنا کرنا، رومیوں کا بڑھ جانا اور ان سے مسلمانوں کی کثرت سے لڑائیاں، شراب نوشی عام ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(2) امام مہدی کا ظہور:

ان کا ظہور ظہورِ دجال اور نزول مسیح علیہ السلام سے قبل ہوگا۔ اس کی دلیل سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ينزل عيسى بن مريم فيقول أميرهم المهدي تعال صل بنا، فيقول: لا إن بعضهم أمير بعض تكرمة الله لهذه الأمة"

ترجمہ: "عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کے امیر امام مہدی فرمائیں گے کہ آئیں نماز کی امامت کرائیں۔ تو عیسی علیہ السلام فرمائیں گے نہیں تم ایک دوسرے کے امیر ہو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس اکرام اور اعزاز سے نوازا ہے"۔[26]

لہٰذا روایات کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی کی امامت میں نماز ادا کریں گے۔

(3) دجال کا نکلنا:

(4) عیسیٰ علیہ السلام کا نزول:

آپ نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے۔

(5) یاجوج ماجوج کا نکلنا:

یاجوج ماجوج کا ظہور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوگا۔ اس کی دلیل نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا:

ان النبی ﷺ حدثهم حديثا عن الدجال وقال فيه: "فبينما هو كذلك إذ أوحى الله إلى عيسى إني قد أخرجت عبادا لي لا يدان لأحد بقتالهم فحرز عبادي إلى الطور، ويبعث الله يأجوج ومأجوج وهم من كل حدب ينسلون، فيمر أوائلهم على بحيرة طبرية فيشربون ما فيها ويمر آخرهم فيقولون لقد كان بهذه مرة ماء"

ترجمہ "پس اسی دوران جناب عیسی علیہ السلام پر اللہ رب العزت وحی نازل فرمائیں گے کہ تحقیق میں نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے کہ کسی کو ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں۔ پس آپ میرے بندوں کو حفاظت کے لئے طور کی طرف لے جائیں اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر اونچائی سے نکل پڑیں گے، ان کی اگلی

جماعتیں بحیرہ طبری پر سے گزریں گی اور اس کا سارا پانی پی جائیں گے اور ان کی آخری جماعتیں گزریں گی تو کہیں گی کہ اس جگہ کسی وقت پانی موجود تھا"۔][27]

اس کے بعد دیگر علامات ظاہر ہوں گی جن میں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ جانور کا زمین سے نکلنا، وغیرہ شامل ہے۔

چوتھا ضابطہ:

کئی علامات قیامت ایسی بھی ہیں جو روایات کے عین مطابق واقع ہو چکی ہیں اور کچھ جاری بھی ہیں لہذا کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں وہ تاویل کرتے ہوئے کہے کہ نہیں یہ تو وہ زمانہ نہیں جس کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس میں ایسا ہوگا ایسا ہوگا۔ بلکہ یہ زمانہ ابھی آئے گا۔ جیسے زنا، شراب نوشی، گانے بجانے، جہالت کا عام ہونا ہے۔ وہ اس کے عام ہونے کا بھی انکار کرتا ہے۔ یہ وطیرہ مناہج سلف کے خلاف ہے بلکہ جو عام علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں ان کے ظہور کا اعتراف کرنا چاہیے۔

پانچواں ضابطہ:

علامات قیامت سے متعلق محض صحیح احادیث پر اعتماد کرنا چاہئے نا کہ ضعیف اور موضوع روایات پر۔

چھٹا ضابطہ:

علامات قیامت کے باب میں وارد روایات حقیقی معنٰی و مفہوم پر مبنی ہیں نہ کہ مجازی معنٰی پر۔ لہذا قیامت سے پہلے پیش آنے والے حالات وواقعات سے متعلقہ نبوی پیش گوئیوں میں من مانی تاویلات کرنا درست نہیں۔ بلکہ انہیں من وعن قبول کرنا اور ظاہری معنٰی پر ہی محمول کرنا منہج سلف ہے۔

’ ’چنانچہ اگر احادیث میں دجال یا امام مہدی کے ظہور کا ذکر ملتا ہے تو ان سے حقیقی طور پر یہ شخصیات ہی مراد ہیں کوئی قوم، قوت وطاقت یا کوئی بھی مجدد یا عادل ومنصف حکمران نہیں۔ جیسا کہ بعض حضرات نے دجال کی تاویل کرتے ہوئے اس سے امریکہ اور اسرائیل مراد لیا ہے، اسی طرح دجال کے ماتھے پر لکھے ہوئے ”ک، ف، ر“ سے اسرائیل کا K-F-R جنگی طیارہ مراد لیا ہے اور کچھ نے دجال کی پیش گوئی سے ہر وہ طاقت مراد لی ہے جو دجل وفریب میں حد درجہ بڑھ کر ہو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو۔۔ اسی طرح امام مہدی کی پیش گوئی کا انطباق کچھ حضرات ہر عادل ومنصف حکمران پر کرتے ہیں، جبکہ بعض نے ہر تجدید دین کا کام کرنے والے پر اس کا انطباق کیا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام مہدی سے بھی ایک خاص شخصیت مراد ہے جس کی چند علامات صحیح احادیث میں موجود ہیں، اس کا خاص نام مذکور ہے، اس کے والد کا نام مذکور ہے، اس کی نسل کی وضاحت ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس سے ہر مجدد مراد لے لیا جائے؟۔

بعض احادیث میں یہ پیش گوئی مذکور ہے کہ قیامت سے پہلے دریائے فرات سے سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا۔ تو اب پہاڑ سے مراد پہاڑ ہی لیا جائے گا اور ان الفاظ کو حقیقت پر ہی محمول کیا جائے گا کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کانوں میں سونا پیدا کر سکتے ہیں اسی طرح کسی دریا یا سمندر سے بھی ایسا خزانہ ظاہر فرما سکتے ہیں۔ لیکن بعض حضرات نے یہاں بھی تاویل سے کام لیا اور کہا کہ سونے کے پہاڑ سے مراد پٹرول ہے۔ حالانکہ اگر اس موضوع سے متعلقہ تمام احادیث کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پہاڑ کا ظہور مسلمانوں کے لیے ایک فتنہ ہوگا جبکہ اہل عرب پٹرول کو بطورِ نعمت استعمال کر رہے ہیں، حدیث کے مطابق یہ پہاڑ دریائے

فرات کے ساتھ ہی خاص ہوگا جبکہ پٹرول تو ہر دریا، سمندر بلکہ خشکی سے بھی نکالا جارہا ہے۔ پھر فرمانِ نبوی کے مطابق اس خزانے پر بہت بڑی جنگ ہوگی جس میں 99 فیصد لوگ قتل ہو جائیں گے جبکہ پٹرول ظاہر ہوئے ایک عرصہ ہوا لیکن کبھی کسی نے اس مقام پر اتنی بڑی جنگ نہیں دیکھی۔ بہر حال یہ تاویل بھی درست نہیں اور اس کی تردید کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے یہودیوں کے خلاف جنگ میں پتھر اور درخت پکار پکار کر یہودیوں کی نشاندہی کریں گے تو اس پر بھی تمام مسلمانوں کا ایمان ہونا چاہیے کہ گو پتھر اور درخت قوتِ گویائی نہیں رکھتے لیکن قیامت کے قریب اللہ کے حکم سے یہ بھی کلام کریں گے۔ اسی طرح احادیث میں ذکر ہے کہ قبل از قیامت زمین سے ایک جانور "دابۃ الارض" نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا تو اس سے بھی بلا تاویل وہ خاص جانور ہی مراد لیا جائے گا۔ اسی طرح کچھ نبوی پیش گوئیوں میں خاص علاقہ جات کا بھی ذکر ہے جیسا کہ قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والا پہلا اسلامی لشکر جنتی ہے اور مکہ و مدینہ میں دجال داخل نہیں ہو سکے گا وغیرہ وغیرہ تو اس طرح کی پیش گوئیوں میں بھی وہی مخصوص علاقے مراد ہوں گے۔][28

ھذا ما عندی والعلم عند اللہ

نوٹ: اس مضمون کی تیار میں مندرجہ ذیل مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(1) القرآن الکریم

(2) کتب حدیث

(3) فقہ اشراط الساعۃ تالیف محمد اسماعیل المقدّم

(4)موقف أهل السنة والجماعة من تنزيل نصوص الفتن وأشراط الساعة على الحوادث "السفياني أنموذجاً" تاليف: زاهر بن محمد بن سعيد الشهري

(5)ضوابط شرعية في فهم اشراط الساعة۔ از محمد صالح المنجد

(6)تنزيل نصوص الفتن وأشراط الساعة على الواقع المعاصر مقالہ: ڈاکٹر عبد اللہ بن حمود الفریح

(7)آئینہ پرویزیت از مولانا عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

(8)دجال اور علاماتِ قیامت کی کتاب از حافظ عمران ایوب لاہوری

(9)اشراط الساعة تاليف يوسف الوابل

[2]المقصد العلي في زوائد أبي يعلىٰ الموصلي، للهيثمي۔ طبعہ دار الكتب العلمية نیز دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ شرح حدیث نمبر 6511

[3] صحيح البخاري: كتاب الرقاق، باب سكرات الموت۔ حدیث 6511

[4] صحيح البخاري: كتاب الرقاق، باب سكرات الموت

[5]التذكرة للقرطبي (ص:240)

[6]أهوال القيامة وعلاماتها الكبرى، ص8.

[7]رواه مسلم والترمذي: صحيح مسلم۔ كتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ بعثت انا والساعة وما أمر الساعة إلا كلمح البصر لآية۔

[8] صحيح مسلم: حديث، 7289 ترقيم فؤاد عبد الباقي

[9] صحيح البخاري: كتاب العلم باب رفع العلم وظهور الجهل رقم:81

[10] فتح الباری 13/131

[11]موقف أهل السنة والجماعة من تنزيل نصوص الفتن وأشراط الساعة على الحوادث، زاهر بن محمد بن سعيد الشهري ص78

[12]نظام ربوبیت: ص265

[13]الغیبات فیضوء السنۃ، محمد ھمام ص191، نھایۃ العالم، منصور عبد الحکیم ص218

[14]النھایۃ في الفتن والملاحم 1/11.

[15]السنن الواردۃ في الفتن وغوائلھا والساعۃ وأشراطھا 1/178 .

[16]الإذاعۃ لما کان ومایکون بین أشراط الساعۃ ص15.

[17]رواہ الحاکم في المستدرک:4544، وصححہ الألباني صحیح الجامع:7947

[18]مایہ ایک فرقہ اور تہذیب ہے جن کا کہنا ہے کہ ان کا کلینڈر ختم ہوتے ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اس تہذیب کا کلینڈر 21 دسمبر 2012 کو ختم ہو گیا لیکن دنیا کی اینٹ بھی نہیں ہلی۔ مایا کلینڈر کا آغاز 5125 سال قبل ہوا تھا۔ اس عقیدے کے ماننے والوں کی اکثریت میکسیکو میں آباد ہے۔ دنیا میں اس عقیدے کے ماننے والے لوگوں نے جب دیکھا تھا کہ ان کے کلینڈر کے خاتمے کی تاریخ آرہی ہے تو یورپ میں کئی لوگوں نے قیامت سے بچنے کے لیے محفوظ مقامات کی جانب سفر شروع کر دیا تھا۔

[19] http://urdu.dunyanews.tv/index.php/ur/world/406489

[20]النھایۃ في الفتن والملاحم:1/6

[21]النھایۃ في الفتن والملاحم:1/16

[22] صحیح المسلم: کتاب الایمان باب الاسلام ماھو؟ بیان خصالہ حدیث:10

[23]سنن الترمذي:2012، حسنہ الألباني السلسلۃ الصحیحۃ:1795

[24]مصنف ابن أبي شیبۃ:38888

[25]سیر اعلام النبلاء للذھبی، الطبقۃ السادسہ، ترجمۃ سفیان الثوری رحمہ اللہ

[26]المنار المنیف لابن القیم (1/147) إسنادہ جیّد. وأصلہ فی صحیح مسلم بدون تسمیۃ الأمیر

[27] صحیح مسلم: حدیث (2937)[28] دجال اور علامات قیامت کی کتاب از حافظ عمران ایوب لاہوری صفحہ 18،19

(3) ملّت کے سپوت ذمہ داریاں اور درپیش فتنے!!

الشیخ حافظ محمد یونس اثری حفظہ اللہ

تخلیق انسانی کئی مراحل طے کر کے منظر عام پر آتی ہے اور پھر تخلیق (پیدائش) کے بعد بھی اس کی زندگی کئی مراحل میں منقسم ہوتی ہے۔ مثلاً بچپن ،لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا۔ انسانی زندگی کے یہ مراحل اس قابل ہیں کہ انہیں بغور سمجھا جائے اور ان مراحل کے خصوصی اوصاف اور صلاحیتوں کے مطابق ہی ہر مرحلے کو گزارا جائے۔ اس لئے کہ دین اسلام نے مکمل طور پر انہی مراحل کے مطابق انسان کو شریعت کا پابند بنایا ہے۔ مثلاً ایک بچہ جو ابھی سنِ شعور کو نہیں پہنچا وہ شرعی احکامات کا مکلف نہیں، بہر حال ان مراحل میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل جوانی کی عمر ہے، جس کی اہمیت کا کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ کسی بھی قوم کے نوجوان اگر باشعور ہوں تو وہ قوم زندہ قوم کہلاتی ہے اور اس قوم کی اقوام عالم میں اپنی ایک مستقل شناخت ہوتی ہے اور اگر کسی قوم کے نوجوان بے شعور ہوں تو وہ دنیا کی ایک مردہ قوم کہلاتی ہے۔ اسی لئے استعمار جس قوم کو مردہ کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس قوم کے نوجوانوں کو شعور سے خالی کرتا ہے۔ نوجوانوں کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنا آئیڈیل بھول جاتے ہیں۔ یہ نوجوان ایسے لوگوں کو اپنا آئیڈیل بنا لیتے ہیں جن کا کردار اسلامی آئیڈیالوجی تو کجا کسی بھی تہذیب یافتہ قوم کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔ یہی صورتحال موجودہ دور کے جوانوں کی اکثریت کی ہے، زیر نظر مضمون میں نوجوانوں کے حوالے سے چند ذیلی نکات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ان شاء اللہ

جوانی کی اہمیت:

نوجوانوں کے کرنے کے کام

دور حاضر کے جوانوں کو فتنوں کا سامنا اور ان کا حل

جوانی کی اہمیت:

جوانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم نعمت اور بڑی اہمیت کی حامل عمر ہے جس کا اندازہ چند نصوص شرعیہ کی روشنی میں لگایا جا سکتا ہے۔ نبی ﷺ کی ایک حدیث میں سات ایسے خوش نصیبوں کا ذکر ہے جو قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے، جس دن سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا اور لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے، بعض لوگ سینے تک، بعض گھٹنے تک اور بعض پورے کے پورے پسینے میں ڈوبے ہوں گے، ایسے میں جنھیں اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہو گیا یقیناً وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہوں گے اور ان سات قسم کے افراد میں سے ایک شخص:

" وشاب نشأ في عبادة الله"

یعنی ایسا نوجوان جس کی نشو نما اللہ کی عبادت ہی میں ہوئی ہو۔ گویا کہ صالح جوان کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوگا۔][2

اسی طرح جوانی کی اہمیت و حیثیت کا اندازہ اس حدیث سے لگا سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قیامت کے دن پوچھے جانے والے پانچ اہم سوالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"لاتزول قدم ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس عن عمره فيم افناه وعن شبابه فيم ابلاه وماله من اين اكتسبه وفيم انفقه وماذا عمل فيما علم"

" قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اللہ رب العزت کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق نہیں پوچھ لیا جائے گا۔ (۱) اس نے عمر کس چیز میں صرف کی (۲) جوانی کہاں

خرچ کی(۳)مال کہاں سے کمایا(۴)مال کہاں خرچ کیا(۵)جو علم حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا۔]"3[

مذکورہ حدیث میں سب سے پہلا سوال عمر کے بارے میں ہے، جس میں جوانی بھی شامل ہے لیکن دوسرا سوال علیحدہ سے جوانی کے بارے میں کیا جائے گا کہ جوانی کیسے گزاری؟ جس سے اس کی اہمیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں نبی ﷺ نے پانچ چیزوں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں غنیمت سمجھو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اغتنم خمسا قبل خمس شبابک قبل ھرمک وصحتک قبل سقمک وغناءک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک

ترجمہ:"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت سمجھو۔(۱)جوانی کو بڑھاپے سے پہلے(۲)بیماری سے پہلے صحت کو(۳)محتاجی سے پہلے مالداری کو(۴)مصروفیت سے پہلے فرصت کو(۵)موت سے پہلے پوری زندگی کو۔]"4[

اس حدیث میں بھی سب سے پہلے جوانی کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس کی قدر کی جائے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جوانی جیسی عمر کوئی نہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں اکثریت جوانوں کی تھی جنہوں نے دل وجان سے اسلام کو قبول کیا اور پھر نشر اسلام اور دفاع اسلام کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ بہر حال ان تمام روایات سے اور اس تفصیل سے جوانی کی اہمیت آشکار ہوتی ہے۔

نوجوانوں کے کرنے کے کام

انسانی زندگی کے تمام مراحل میں سب سے اہم مرحلہ یہی جوانی ہے، لہذا اس عمر میں جو کام ہو سکتے ہیں زندگی کے کسی مرحلے میں نہیں ہو سکتے، اس لئے چند ایسے کام بیان کئے جاتے ہیں، جو پوری زندگی میں بالعموم اور وہ کام جوانی کی عمر میں زیادہ احسن انداز میں کئے جا سکتے ہیں۔

تعلیم اور تعلّم

جوانی کی عمر علم سیکھنے کی عمر ہے اور ایسا علم کہ اس پر عمل بھی ہو۔ یہ کام جوانی میں بطریق احسن ہو سکتا ہے۔ جب جسم کے دیگر اعضاء کی طرح دماغ بھی جوان ہوتا ہے۔ اور پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب صفہ بھی اکثر نوجوان تھے۔ ابوذر غفاری، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنھما وغیرہ اسی زمرے کے ہیں۔ جس صحابی کی شادی ہو جاتی اور عائلی ذمہ داریاں غالب آجاتیں وہ اس زمرے سے نکل جاتا۔ اسی طرح نبی ﷺ کے ملازم شاگرد جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ بھی جوانی کی عمر میں تھے۔ قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر کم و بیش ۲۶ یا ۲۷ سال تھی۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی جوانی کی عمر میں تھے، جیسا کہ صحیح بخاری کی مختلف روایات سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کے لئے نبی ﷺ نے خصوصی طور پر تفقہ فی الدین کی دعا کی، وہ بھی جوان تھے۔

ایک اور ملازم شاگرد سیدنا انس رضی اللہ عنہ بھی جوان تھے۔ جب نبی ﷺ کی خدمت کے لئے آئے اس وقت ان کی عمر دس سال تھی اور دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی۔

اس حوالے سے کئی ایک صحابہ کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے بلکہ ان کی صرف جوانیوں کے روشن تذکرے اگر فرداً فرداً کئے جائیں تو کئی ایک دفاتر وجود میں آسکتے ہیں۔

بہر حال یہ عمر ہی اصل تعلّم کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا قول ہے:

و یستحب للطالب ان یکون عزباً ما امکنه

" طالب علم کے لئے مستحب ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو غیر شادی شدہ ہو"۔ (تاکہ شادی کے بعد کی عائلی ذمہ داریاں اس کے لئے حصول علم سے مانع نہ بن جائیں۔)[5]

اور جوانی کی عمر میں کس قدر ترجیحی بنیادوں پر علم کو حاصل کیا جائے، اس کا اندازہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کے اس قول سے لگائیں وہ فرماتے ہیں:

و اختار للمبتدی فی طلب العلم ان یدافع النکاح فان احمد بن حنبل لم یتزوج حتی تمت له اربعون سنة، و هذا لاجل الهم، ای للعلم

" میں مبتدی طالب علم کے لئے یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ نکاح نہ کرے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے شادی نہیں کی تھی حتی کہ ان کی عمر چالیس سال ہو گئی تھی اور اس تاخیر کی وجہ حصول علم تھی"۔[6]

اندازہ لگائیں طلبِ علم کی وجہ سے بعض اہل علم نے جوانوں کو نکاح میں تاخیر کرنے کی نصیحت کی ہے کہ کہیں یہ اس طلب علم کے ایک اہم مشن میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ اس اسے صاف واضح ہے کہ طلبِ علم جوانوں کے اہم وظائف میں سے ہے اور یہ اتنا اہم کام ہے کہ اسے نکاح پر ترجیح دی جائے۔

الغرض یہ عمر تعلّمِ علم کی ہے (اگرچہ عمر کے کسی بھی حصے میں علم حاصل کرنے والے کو روکا نہیں جا سکتا) کیونکہ اس عمر میں انسان کی قوت حافظہ مضبوط ہوتی ہے۔ اور ڈھلتی عمر کے ساتھ ساتھ اس کے ضبط کی طاقت بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ پھر وہ بہت سی چیزیں یاد کرنا چاہتا ہے تو بھی نہیں کر پاتا۔

دعوت و تبلیغ

نبی ﷺ کو نبوت جوانی کی عمر میں ملی۔ چونکہ نبوت ایک انتہائی کٹھن ذمہ داری ہے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کن پر ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:

الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل۔

' 'سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء پر آتی ہیں پھر ان کے بعد نیک لوگوں پر، اور پھر اس کے بعد جو نیک لوگ ہوں۔]"7[

نبی ﷺ جب معراج پر گئے اس رات سیدنا موسی علیہ السلام، نبی ﷺ کو دیکھ کر رو پڑے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رونے کی وجہ کیا ہے؟ ان کا جواب تھا کہ ایک نوجوان جو میرے بعد نبی بنا ہے اور مجھ سے زیادہ اس کی امت جنت میں جائے گی۔]8[

تنبیہ: سیدنا موسی علیہ السلام کا یہ رونا اور مذکورہ کلمات کہنا حسد کے طور پر نہیں تھے، بلکہ یہ اظہار افسوس کے طور پر تھا کہ وہ کثرتِ امت نہ ہونے کی وجہ سے اجرِ کثیر سے محروم ہو گئے۔ حسد، کسی نبی سے اور پھر اس عالم میں نہیں ہو سکتا۔

اس حدیثِ معراج سے بھی نبی ﷺ کو جوانی کی عمر میں نبوت جیسی اہم ذمہ داری کا ملنا ثابت ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ صحیح بخاری میں ہے کہ ہجرت کے وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بڑے تھے اور نبی ﷺ کا وصف بیان ہوا کہ:

شاب لایعرف

یعنی ایسے نوجوان کہ لوگ انہیں پہچانتے نہیں تھے۔]9[

جب نبی ﷺ کو نبوت ملی آپ کی عمر ۴۰ سال تھی، جو کہ جوانی کی عمر ہے، اور اس عمر کے جوانی کی عمر ہونے کے ثبوت میں قرآنی نص موجود ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:

وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً

الاحقاف–15

یہ ایسی عمر ہے کہ انسان کی جوانی بھی برقرار رہتی ہے اور اسے پورا شعور اور فہم ہوتا ہے اور اپنا بڑھاپا بھی اسے قریب آتا دکھائی دیتا ہے۔ تو یہ ہر لحاظ سے اہم عمر ہے اس لئے اسی عمر میں نبی ﷺ کو نبوت عطا کی گئی۔

نبوت ایک اہم ذمہ داری ہے اسی لئے ایسی ہی عمر کا انتخاب کیا گیا کہ جس عمر میں نبی ﷺ مکمل طور مختلف قسم کی ابتلاءات کا سامنا کر سکیں۔ لہٰذا یہی اصل عمر ہے دعوت دین کی کہ جس میں امر بالمعروف و نھی عن المنکر کے سب سے اعلیٰ درجے (ہاتھ سے روکنا) پر بھی عمل کر سکتا ہے اور زبان کے ذریعے بھی۔

بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ میں تبلیغ کے لئے رسول اکرم ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ جانے کا حکم دیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ اس وقت جوان تھے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنی حرارت ایمانی اور جوش ایمانی کے ساتھ تبلیغ کا آغاز کیا۔ ان کے خلوص اور لگن، جوش خطابت، اخلاقِ پسندیدہ کے باعث بہت کم عرصہ میں بہت بڑی تعداد میں لوگ دین اسلام کی طرف آ گئے اور یوں سمجھ لیں کہ تقریباً انصار کے ہر گھر میں کوئی نہ کوئی فرد مسلمان تھا سوائے کچھ گھروں کے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مُقری کے لقب سے مشہور ہوئے۔

دیکھیں میدان تبلیغ میں ایک جوان کی محنت کا یہ ثمرہ ہے کہ مدینہ میں بڑی تعداد اسلام کی دولت سے مالامال ہو گئی۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اہل بصرہ میں سے ہیں، اپنی قوم کے کچھ نوجوانوں کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس آئے تھے اور نبی ﷺ کے پاس قیام کیا تھا وہ فرماتے ہیں:

ہم کچھ افراد نبی ﷺ کے پاس آئے اور ہم سب جوان تھے اور قریب قریب عمر کے تھے ہم نبی ﷺ کے پاس بیس (۲۰) دن ٹھہرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحیم اور نرم مزاج والے تھے جب نبی ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ ہم اب اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں، تو نبی ﷺ نے ہم سے ہمارے گھر والوں کے بارے میں پوچھا، ہم نے اپنے گھر والوں کے بارے میں بتلایا، نبی ﷺ نے فرمایا:

ارجعوا إلى أهليكم فأقيموا فيهم وعلموهم ومروهم وذكر أشياء أحفظها او لا أحفظها وصلوا كما رأيتموني أصلي فإذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم

یعنی اپنے گھروں کی طرف جاؤ اور ان کے پاس جا کر رہو اور انہیں علم سکھاؤ اور اچھی باتوں کا حکم دو اور پھر فرمایا جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ویسے نماز پڑھو جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور جو تم میں سے عمر میں بڑا ہو وہ امامت کروائے۔][10]

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ان صحابہ نے مبادیات کو سیکھ کر پھر اس کی تبلیغ کا آغاز اپنے گھروں سے کیا۔

اس لئے جوانوں کی یہ سب سے اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ خود دین کی صحیح طور پر سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے نشر کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔

جہاد

جوانوں کا ایک اہم ترین کام یہ بھی ہے کہ وہ دفاع اسلام کے لئے میدان مقتل میں نکلتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ کام بھی نوجوانوں کے حصے میں آیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی جنھیں میدان جہاد میں ان کی عمدہ کارروائیوں کی بناء پر سیف اللہ کے لقب کا شرف حاصل ہوا، جوانی کی عمر میں تھے۔ نبی ﷺ نے خیبر کی جنگ کے لئے جھنڈا تھمانے کے لئے جس شخصیت کا انتخاب کیا وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اور اس وقت جوانی کی عمر میں تھے۔

نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صحابی سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں، جو تیز دوڑنے میں مشہور تھے، جنگ خیبر انہوں نے پاپیادہ لڑی،[11] نبی ﷺ کے ساتھ سات جنگوں میں شریک ہوئے،[12] اور ایک جنگ میں لڑتے ہوئے یہ اشعار بھی کہہ رہے تھے کہ

انا ابن الاکوع

الیوم یوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں، اور آج کا دن چھپٹی کا دودھ یاد کرانے کا دن ہے۔]13[

اور نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ آج کے ہمارے گھوڑ سواروں میں سے بہترین شخص ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور پیدل لڑنے والوں میں سے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں، جنھیں نبی ﷺ نے ان کی کارکردگی کو سامنے رکھتے ہوئے دہرا حصہ دیا تھا۔]14[

اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب کہ آپ ﷺ بستر مرض پر تھے اور آپ کو رومیوں کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ایک لشکر تیار کروایا اور اس لشکر کی قیادت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اس وقت صرف اٹھارہ سال کے جوان تھے۔[15] ان کی ایک امارت کا تذکرہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بھی کیا ہے۔] 16[

ابو جہل کو قتل کرنے والے بھی نوجوان تھے۔ صحیح بخاری میں ان کا تذکرہ موجود ہے کہ انہوں نے کس انداز میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل کو قتل کیا۔

جوانوں کی صلاحیت کے مطابق ان سے کام لیا جائے

نبی ﷺ نے جوانوں سے ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام لیا اس کی کئی ایک مثالیں دی جا سکتی ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ابو محذورۃ رضی اللہ عنہ حنین کے قریب یہ دس نوجوان لڑکے (بعض میں بیس کا ذکر ہے)[17] جا رہے تھے کہ انہوں نے اذان کی آواز سنی اور ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو سنتے ہی اس کی نقل کرنا شروع کر دی نبی ﷺ نے اس آواز کو سنا تو ان لڑکوں کو بلوا لیا، (اس وقت یہ مسلمان نہیں تھے) آپ ﷺ نے ایک ایک کر کے سب سے اذان سنی لیکن وہ پیاری آواز جو سنی تھی کسی کی نہ تھی۔ بالآخر ابو محذورۃ رضی اللہ عنہ کی باری آئی، ان سے آپ ﷺ نے اذان سنی تو یہ وہی آواز تھی جو آپ ﷺ نے سنی تھی اور بہت خوبصورت آواز تھی۔ آپ ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان سکھائی اور آپ ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت تحفہ بھی دیا اور برکت کی دعائیں بھی دیں اور ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی، چہرے اور ناف تک ہاتھ بھی پھیرا تھا۔ ملخصًا[18] بعض روایات میں ہے کہ پھر ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے خود کہا کہ مجھے مکہ میں اذان دینے کا حکم کریں[19] جبکہ بعض روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے حکم دیا:

اذهب فأذن لاهل مكة عند البيت الحرام

سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اذان دیتے رہے۔[21]} اور پھر یہی اذان کا سلسلہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں متوارث رہا۔[22[

نبی ﷺ نے بعض صحابہ کی ذمہ داری لگائی تھی، جو وحی کو لکھا کرتے تھے اس لئے کہ ان میں یہ صلاحیتیں موجود تھیں، اور اکثر کاتبین وحی جوان تھے۔ چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا ابان بن سعید بن العاص، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا ثابت بن قیس، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح سیدنا عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ، سیدنا علاء بن الحضرمی، سیدنا معاویۃ بن ابی سفیان اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنھم اجمعین۔

بعض صحابہ کو مختلف علاقوں کی طرف بطور مبلغ، سپہ سالار، نمائندہ کے طور پر بھیجا، اس میں ان کی صلاحیتوں کو شامل حال رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ معاذ بن جبل، علی، زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنھم وغیرہ۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب رکھا کرتے تھے، عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ انہیں ہمارے ساتھ بٹھا دیتے ہیں ان کے جیسے تو ہمارے بچے ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دی:ا یہ ان کے علم کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سورۃ النصر کی پہلی آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا، تو اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جب اللہ کی مدد اور فتح مکہ حاصل ہوئی تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وفات کی خبر دی ہے گویا کہ فتح مکہ ﷺ کی وفات کی

علامت ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کیجئے اور استغفار کیجئے اللہ قبول کرنے والا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے جو تمہارا ہے۔][23

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نوعمری کے باوجود ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں شوریٰ میں شامل کیا ہوا تھا۔

اسی طرح سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جمعِ قرآن کے حوالے سے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگاتے ہوئے فرمایا تھا:

إنک رجل شاب عاقل و لا نتهمک

یعنی آپ نوجوان اور سمجھ دار آدمی ہیں، ہم آپ کو (کسی برائی سے) متہم قرار نہیں دیتے۔][24

یہاں بھی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ان کی صلاحیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے جمعِ قرآن کا کام لیا گیا باوجود اس کے کہ وہ ایک نوجوان آدمی تھے۔

نوجوانوں کو جدید مسائل سے آشنا ہونا چاہئے

نبی ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے آدھے مہینے میں عبرانی زبان سیکھی تھی۔][25

چونکہ اس وقت عبرانی کا سیکھنا وقت کی فوری ضرورت تھا، جسے رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا تاکہ یہود سے خط و کتابت سمیت دیگر معاملات میں آسانی ہو، تو اس سے معلوم ہوا کہ نوجوانوں کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ وقت کے مطابق جدید علوم سے آراستہ ہوں لیکن اس سے پہلے اپنے دین سے آشنائی بہت ضروری ہے۔ دوسری بات اس حوالے سے یہ ہے کہ یہ تمام افراد کی من حیث المجموع ذمہ داری نہیں بلکہ بعض کی ہے جن میں یہ اہلیت موجود ہو۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے تمام صحابہ کی یہ ذمہ داری نہ لگائی کہ سب عبرانی سیکھیں

۔بلکہ صرف زید کو حکم دیا کیونکہ اصل مقصود صرف ضرورت کے مطابق اس کو سیکھنا تھا نہ کہ مرعوب ہو کر اس کو وقت کی ضرورت قرار دیا تھا، جیسا کہ آج دیکھنے میں آتا ہے، کہ مغرب سے اٹھتے ہر فتنے کو ہم وقت کی ضرورت سمجھ لیتے ہیں۔اور پھر اسے سیکھنے پر تُل جاتے ہیں۔

نوجوانوں کے لئے اہم نصیحتیں:

ذیل کی سطور میں چند اہم نصیحتیں پیش کی جاتی ہیں، جو ان شاء اللہ جوانوں کے لئے ایک رہنما نصائح کی حیثیت رکھتی ہیں۔

وقت کی قدر کریں

ویسے عمومی طور پر تمام عمر کے لوگوں کو ہی اوقات کی قدر کرنی چاہئے اور بالخصوص نوجوانوں کو اس حوالے سے خصوصی توجہ دینی چاہئے اس لئے کہ ان کے لمحات سب سے مہنگے اور قیمتی ہیں، اور وقت کی قدر کے حوالے سے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ

یعنی دو قسم کی نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے حوالے سے اکثر لوگ ناقدری کا شکار رہتے ہیں اور ضائع کر دیتے ہیں، ایک صحت اور دوسری چیز فرصت کے لمحات۔][26

اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا: صحت کو بیماری سے پہلے اور فراغت کو مصروفیت سے پہلے غنیمت جانو۔

اچھی صحبت اور بری صحبت:

جوانوں کو بالخصوص اپنی صحبت (Gathering) پر بھی توجہ دینی چاہئے۔اس لئے کہ یہ انتہائی اہم ترین سبب ہے کہ جس کی وجہ سے اچھا شخص بری عادتوں اور برا شخص اچھے لوگوں میں بیٹھنے کی وجہ سے بہت سی اچھی چیزیں سیکھ جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اچھی صحبت اور بری صحبت کی مثال عطر فروش اور بھٹی والے سے دی ہے۔چنانچہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھے اور برے ساتھی کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک لئے ہوئے ہے اور بھٹی دھونکنے والا ہے، مشک والا یا تو تمہیں کچھ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا اس کی خوشبو تم سونگھ لو گے (یعنی ہر صورت فائدہ ہی فائدہ ہے) اور بھٹی والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تمہیں اس کی بدبو پہنچے گی۔ (یعنی ہر صورت میں نقصان ہی نقصان ہے۔)][27]

بڑوں کو بڑا ہی سمجھا جائے

جوان افراد جوانی کے نشے میں عام طور پر بڑوں کو اولڈ مین (Old Man) کہہ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس ترقی یافتہ دور سے یہ پرانے لوگ ناواقف ہیں، اور اس دور کے تقاضوں کے مطابق ہی ہمیں اپنی جوانی گزارنی چاہئے۔ اور مزید اس پر یہ کہ بڑوں کے فیصلوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایسے تمام انداز انتہائی غلط ہیں، اور اس طرح کی تنقید کرتے وقت ہم کیوں یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم اپنی کم عمری کی وجہ سے معاملات کی کنہ کو نہیں پہنچے کہ جس حد تک طویل تجربات کے بعد ہمارے بڑے پہنچ چکے ہیں۔ ہم اپنے بڑوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے وقت کیوں بھول جاتے ہیں کہ کبھی میں نے بھی بڑا ہونا ہے؟؟ ہماری سوچ تو یہ ہونی چاہئے تھی کہ ہم ان بڑوں سے سیکھیں، ان کے ساتھ وقت گزاریں، ان سے نصیحتیں طلب کریں، تاکہ گزرتے وقت کے ساتھ جیسے جیسے میری عمر ڈھلے گی مجھے مختلف قسم کی ذمہ داریوں کا سامنا کرنا پڑے گا مجھے ان ذمہ داریوں کا سامنا کرنے کے لئے اور انہیں بطریق احسن ادا کرنے کے لئے انہیں کے زیر سایہ اور زیر تربیت رہنا چاہئے۔ نیز بڑوں کی غلطیوں میں بھی اپنے لئے سبق تلاش کیا جائے چہ جائیکہ ہم ان کی غلطیوں پر مبصر کی حیثیت سے کوئی رائے زنی کریں۔

جوانی کی حفاظت کریں

جو نعمت جس قدر بڑی اور اہم ہوتی ہے، اس کی حفاظت بھی اسی قدر اہم ہوتی ہے۔ لہذا ایسے فتنے جو انسان کو بد نظری اور زنا کی طرف لے جاتے ہیں، ان سے حفاظت بہت ضروری ہے، کیونکہ جوانی کی عمر میں انسان کی شہوت بھی خاصی متحرک ہوتی ہے، گناہ کے امکان بہت زیادہ ہوتے ہیں، سلف صالحین اس حوالے سے اس قدر فکر مند ہوتے تھے کہ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ! میں ایک جوان آدمی ہوں اور اپنے نفس کے حوالے سے گناہ سے ڈرتا ہوں اور میں نکاح کی طاقت نہیں رکھتا، لہذا مجھے خصی ہونے کی اجازت دے دیں۔ نبی ﷺ خاموش رہے، دوسری مرتبہ اپنی اس بات کو سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے دہرایا، پھر بھی نبی ﷺ خاموش رہے، تیسری مرتبہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کو دہرایا اور نبی ﷺ خاموش رہے، چوتھی مرتبہ جب سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کو دہرایا تو نبی ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرۃ (رضی اللہ عنہ)! قلم خشک ہو چکے ہیں، لہذا جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔]28[

اندازہ لگائیں کہ سلف صالحین میں اس حوالے سے کس حد تک جوانی کی حفاظت کا جذبہ موجود تھا۔

اور نبی کریم ﷺ وقتاً فوقتاً صحابہ کرام کی اس حوالے سے تربیت بھی کیا کرتے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے جوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

يامعشر الشباب، من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فانه اغض للبصر، وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم، فانه له وجاء

یعنی: اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے، وہ شادی کر لے اس لئے کہ یہ نظر کو جھکانے اور شرمگاہ کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے اور جو شادی کی طاقت نہ رکھے، وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے ڈھال ہے۔]29[

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت جوانی کی عمر میں تھے، فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میری ہی وجہ سے بیان کی گئی اور میں نے جلد ہی شادی کرلی۔]30[

ایک موقع پر ایک لڑکی نبی ﷺ کے پاس آئی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے تو آپ ﷺ نے فوراً ان کے چہرے کو موڑ دیا۔]31[

ایک شخص نے آکر زنا کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے اس کی بھی بڑے احسن انداز سے تربیت کی اور فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کروگے کہ تمہاری ماں، بہن اور بیٹی کے ساتھ کوئی اس طرح کا معاملہ کرے اس شخص نے کہا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا

، آپ ﷺ نے کہا کہ یہی سوچ دوسرے کی بہن، بیٹی اور ماں کے بارے میں ہونی چاہئے۔

لاتتبع النظرۃ النظرۃ

یعنی ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھ۔(اگر اچانک نظر پڑجائے تو اس پر انسان گناہ گار نہیں)] 32[

ان تمام نصوص سے واضح ہے کہ نبی ﷺ نے جوانوں کو اس گناہ سے بچنے کے لئے مسلسل کس طرح سے تربیت کی جس کا نتیجہ تھا کہ آج ہم کسی صحابی کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ اس طرح کے گناہ کا مرتکب ہو، بلکہ ایسا سوچنا ہمارے اسلام کے لئے خطرہ بن جائے گا۔

اور یہی ہمارا کرنے کا کام ہے کہ ہم نہ کہ صرف اس گناہ سے بچنے کی کوشش کریں بلکہ وہ تمام راستے جو زنا کی طرف لے جاتے ہیں، ان سے بھی بچنا ازحد ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حکم ہے کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔(الاسراء:۳۲) لہٰذا ایسے تمام امور واسباب جو زنا کے قریب لے جاتے ہیں، ان سے دور رہنا چاہئے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جوانی کی عمر میں ہی اپنے آپ کو اس گناہ سے بچایا جس کا تذکرہ رہتی دنیا تک قرآن مجید میں موجود رہے گا۔ بلکہ ایسا شخص جو کبھی ایسی صورتحال

بن جانے کے باوجود کہ ایک خوب صورت اور حسب ونسب والی عورت اسے گناہ کی دعوت دے اور وہ خود کو اس گناہ سے بچالے، اس کا صلہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوگا۔][33

بے شعوری نقصان دہ ہے

جوانی کی عمر ایسی عمر ہے کہ جس میں شعور تو آجاتا ہے، لیکن یہ شعور بدرجہ اتم نہیں ہوتا، جوانی کی عمر میں عجلت اور جذبات کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ اور جس حد تک یہ عنصر غالب ہوتا ہے اسی حد تک وہ شعور اور فہم وفراست سے دور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوان شخص بجائے اس کے کہ مکمل طور پر اپنے شعور پر اعتماد کرے، اسے اپنے بڑوں سے نصیحتیں اور ان سے رابطہ رکھنا چاہئے۔ جوانی کی عمر میں بے شعوری اور عجلت انتہائی نقصان دہ ہے۔ بعض انصاری نوجوان کہہ بیٹھے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے مال سے مہاجرین کو سو، سو اونٹ دیئے ہیں، وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے۔ باوجود اس کہ کے ہماری تلواریں ان کے خونوں سے تر ہیں۔ نبی ﷺ کو جب علم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مغموم ہوئے اور انصار صحابہ کو جمع کیا اور ان سے پوچھا تو انصار کے بڑی عمر کے سمجھ دار افراد کہنے لگے کہ اللہ کے رسول ﷺ! یہ بات بعض نوجوان لڑکوں نے کہہ دی ہے، نبی ﷺ نے انصار صحابہ سے فرمایا کہ میں نے مال زیادہ دیا ہے، تو انہیں دیا ہے جو ابھی نیا نیا کفر کے دین کو چھوڑ کر آئے ہیں، اور تمہارے لئے اس سے بڑھ کر شرف کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں مال لے کر جائیں اور تم رسول ﷺ کی محبت لے کر جاؤ۔ تمام انصار صحابہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس پر راضی ہیں۔][34

اندازہ لگائیں وہ صحابہ جن کے لئے اللہ کی رضامندی اور جنت کے اعلان ہو چکے ہیں، ان میں سے بھی بعض لڑکوں سے اس طرح کی غلطی ہو سکتی ہے، اور وجہ ان کی کم سنی تھی(

جسے بہر حال نبی ﷺ نے درگزر فرمادیا) اس واقعے کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ ہمارے معاشرے پر نوجوانوں کے بے شعوری کے کس قدر خطرناک اثرات رونما ہوسکتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے ہم میں تو بالاولیٰ اس کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، بلکہ یہاں ایک حدیث کو بھی بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: "هلاك امتي علي يدي غلمة من قريش "[35] یعنی میری امت کی ہلاکت قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھ ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ وہ امت کے فساد اور خرابی کا سبب کیسے بنیں گے؟؟ اپنی کم فہمی اور بے شعوری کی وجہ سے۔

اس کے برعکس جب ایک جوان میں شعور پیدا ہوتا ہے تو وہ پورے سماج کی اصلاح کے لئے کمربستہ ہوجاتا ہے، اس کی مثال سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ جنہوں نے جب بت توڑے تو قوم جانتی تھی کہ ایک جوان ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ اور قوم کی مراد ابراہیم علیہ السلام تھ

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ

الانبياء-60

بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے۔

یعنی ایسا جرأتمندانہ فعل ایک جوان نے ہی کیا، اور جب جوان یہ کام نہ کرسکے تو کم از کم اس کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ خاموش تماشائی بن جائے، بلکہ وہ کم از کم ایسے علاقے میں رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کی بڑی مثال اصحاب کہف ہیں، جو کہ نوجوان لڑکے ہی تھے، جب انہیں توحید کا فہم اور شعور

آیا، پھر ان کی غیرت نے شرک و کفر کو قبول نہیں کیا، قوم ان کے درپے ہوئی اور ان کے بس میں بھی کچھ نہیں تھا، بالآخر وہ اس علاقے کو چھوڑ کر ایک غار میں چھپ جاتے ہیں، اس پورے واقعہ کا نقشہ قرآن مجید میں کھینچا گی یعنی ایسا جرأتمندانہ فعل ایک جوان نے ہی کیا، اور جب جوان یہ کام نہ کر سکے تو کم از کم اس کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ خاموش تماشائی بن جائے، بلکہ وہ کم از کم ایسے علاقے میں رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کی بڑی مثال اصحاب کہف ہیں، جو کہ نوجوان لڑکے ہی تھے، جب انہیں توحید کا فہم اور شعور آیا، پھر ان کی غیرت نے شرک و کفر کو قبول نہیں کیا، قوم ان کے درپے ہوئی اور ان کے بس میں بھی کچھ نہیں تھا، بالآخر وہ اس علاقے کو چھوڑ کر ایک غار میں چھپ جاتے ہیں، اس پورے واقعہ کا نقشہ قرآن مجید میں کھینچا گیا۔ (دیکھئے: سورۃ الکہف: ۹ تا ۲۶) بہر حال یہ نتیجہ ہے نوجوانوں کے صحیح شعور اور فہم وبصیرت کا اور بے شعوری اور کم فہمی کا۔

آج کا نوجوان فتنوں کے نرغے میں

جوانی کی عمر آزمائشوں سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ جہاں اس عمر میں نوجوان کے کاندھوں پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، ساتھ ہی اسے مختلف قسم کے فتنوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس عمر میں دنیاوی خواہشات اور حب الشہوات دونوں ہی عروج پر ہوتی ہیں اور ساتھ ہی جوانی ایک غفلت کی عمر بھی ہے، ایسے میں جوان جن برے اعمال کا مرتکب ہو جاتا ہے بالخصوص دور حاضر میں نوجوان جس طرح سے غلط راہوں کا راہی بن چکا ہے اور اس میں دینی اور اخلاقی اعتبار سے جن بیماریوں کا شکار ہے، ذیل میں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

مال سے متعلق برے خصائل

چونکہ جوان اپنے والدین اوراولاد کی کفالت اور بیوی کے نان ونفقہ اور اقارب کے ساتھ صلہ رحمی جیسی مختلف ذمہ داریاں اپنے کاندھوں پر لئے ہوئے ہوتا ہے، اور اب دنیا کی دیکھا دیکھی محض دنیاوی حرص وطمع کی بنیاد پر یا اپنی ان مذکورہ ذمہ داریوں کو صحیح طور پر نبھانے کی دوڑ میں بسا اوقات وہ ناجائز راہوں کا انتخاب کرلیتا ہے، مثلاً چوری، ڈکیتی، جوا، سود خوری وغیرہ۔ چونکہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے مال کمانا اس کی ضرورت ہے اس لئے حلال وحرام کی تمییز کئے بغیر کثرت مال کی حرص اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے۔ اور ان گناہوں کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

حل:

اس قبیل کی برائیوں کا حل یہ ہے کہ ہمارا مقصد صرف ذمہ داریوں کا پورا کرنا ہو نہ کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنا۔ اس لحاظ سے ہمیں اپنی جائز ضرورتوں کا تعین کرنا چاہئے۔ اور کسب حلال کو حیثیت دینی چاہئے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے پر عزم ہونا چاہئے کہ کوئی حرام راہ اختیار نہیں کروں گا۔ اور شریعت میں موجود اس کی حرمت کو ملحوظ خاطر رکھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

إنه لا يربو لحم نبت من سحت إلا كانت النار أولى به

یعنی: جو بھی گوشت کا ٹکڑا حرام سے پرورش پاتا ہے وہ جہنم کا ہی مستحق ہے۔[36]

فراغت، وقت کا ضیاع

جیسا کہ کہا گیا کہ کسی حد تک جوانی غفلت کی عمر بھی ہے، نوجوان کچھ اس طرح کے بھی ہیں جو شاید اپنی جوانی کو بہت مصروف گزار رہے ہوں، لیکن حقیقت میں وہ اپنی جوانی کی قیمتی عمر کو ضائع کررہے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی جوانی جن کاموں میں مصروف ہونی چاہئے وہ خود کو ان کاموں میں مصروف نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو اپنی

اصل ذمہ اریوں کا تعین کر کے اپنا وقت صحیح مصرف میں صرف کرنا چاہئے۔

بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو کسی قسم کی مصروفیت کے بغیر کلی طور پر اپنی جوانی کے شب و روز کو ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ اس نعمت کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا۔

بدعقیدگی یا اسٹائل

بکثرت یہ دیکھا گیا ہے کہ نئی جوان نسل میں بعض چیزیں بطور اسٹائل ہی کے کہہ لیں کہ ان میں مروّج ہیں حالانکہ وہ عقیدہ کے لئے انتہائی خطرناک ہیں۔ مثلاً مغرب کی نقال نئی نسل کو دیکھا گیا ہے کہ باہم ایک دوسرے سے تعارف کرواتے ہوئے، ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے آپ کا اسٹار (ستارہ) کیا ہے؟ جس طرح کفار ستاروں کے برجوں پر یقین رکھتے ہیں، ستاروں کی بنیاد پر لوگوں کی تقدیر کا حال پوچھا اور بتایا جاتا ہے۔ بالکل یہی حال آج کے مسلم نوجوان کا ہے۔ کہ اس نے بدعقیدگی کو اپنا مروج انداز بنالیا ہے۔ آج کل کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں بکثرت کوئی نہ کوئی دھاگہ، کڑا یا اس قسم کا کچھ ضرور ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ خاص منت یا بیماری وغیرہ کے سبب سے پہنا ہوتا ہے جو کہ صریح شرک ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں کڑا پہنا ہوا دیکھا تو فوراً اسے اتروایا اور کہا کہ اس سے تو مزید بیماری میں اضافہ ہوگا اور اگر اسی حال میں تیری موت واقع ہوگئی تو کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔[37] بعض نے یہ بطور تزین کے پہنا ہوتا ہے جو کہ عورتوں کے تزین کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

بعض نے یہ غیروں کی نقالی کرتے ہوئے اسے پہنا ہوتا ہے، یہ اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں غیر مسلموں کی تشبیہ ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔]38[

میڈیا اور خراب لٹریچر

تفریح حاصل کرنے کے لئے نوجوان ساتھی میڈیا کا رخ کرتے ہیں اور انٹرٹینمنٹ کے نام پر جس طرح سے مخرب اخلاق نشریات دکھائی جاتی ہیں اور بے حیائی اور عریانیت کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ الامان والحفیظ!! اور پھر اس کے جو برے اثرات معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں ہر ذی شعور اس سے واقف ہے۔

مزید یہ کہ سوشل میڈیا نے اس حوالے سے مزید جو عریانیت اور بے دینی کو ہوا دی، وہ بھی ناقابل بیان ہے۔

ہمارا نوجوان فارغ وقت میں تھوڑی دیر کی مشغولیت کے لئے بغیر کسی تمیز کے کسی بھی لٹریچر کو پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ نتیجتاً اس راستے سے باطل نظریات ،اسلام سے دوری، بے حیائی اور شہوت کو بھڑکانے والی تحریریں یا تصاویر غیر اسلامی تہواروں کا فروغ ہوتا ہے۔

لہذا ضرورت ہے کہ ہم اس حوالے سے بھی شعور حاصل کریں کہ کون سا لٹریچر یا چینل یا ویب سائٹ کس قسم کے نظریات کو فروغ دے رہی ہے؟؟ اور اس سے اجتناب کرنا ہمارے لئے کس قدر ضروری ہے؟؟ اور اس کے مقابلے میں کون سا لٹریچر یا چینل یا ویب سائٹ ہے جس کے ذریعے سے میرے اخلاق واقدار کی بہتری اور مستقبل کی تعمیر ہو سکتی ہے؟؟ یقیناً اس تمیز کے ساتھ اور اس فرق کو سمجھنے کے ذریعے سے ہی ہم نت نئے فتنوں سے بچ سکتے ہیں جو میڈیا کے راستے ہمارے دلوں میں گھر کر چکے ہیں۔

جدت پسندی کی آڑ میں اسلام کے بارے میں بدگمانی

جدت پسندی (ماڈرن کلچر) دراصل یہ نام ہے ایک ایسی سوچ کا جو مغرب سے مرعوب ہے کہ مغرب میں جو کام ہوا، بس وہ یہاں بھی ہونا چاہئے چاہے دین اس کی اجازت دیتا ہو یا نہ دیتا ہو۔ بلکہ ایسے کاموں کو اپنانے کے لئے ان کے یہاں دین کی تو قربانی دی جا سکتی ہے لیکن جدت پسندی کے نام پر مغرب کی نقالی کو چھوڑنا انہیں گوارا نہیں، حتٰی کہ جو لوگ اس فتنے سے روکتے ہیں، انہیں بنیاد پرست کا نام دے دیا جاتا ہے اور پھر اس مغرب کی نقالی میں اس قدر ہمارے جوان مستغرق ہوئے کہ بھول گئے کہ وہ مسلمان بھی ہیں!! شاید اسی صورتحال کو سامنے رکھ کر اقبال نے کہا تھا:

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

من چلے نوجوانوں اور مغرب سے متاثر لوگوں کی خواہش پرستی کا احترام کرنے والے (یا کہیں کہ اسی راستے سے اپنی جیبیں گرم کرنے والے) بھی خوب میدان میں اترتے ہیں، اور مغرب کی نقالی کو دینی رنگ چڑھانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ دور حاضر میں موسیقی اور شراب نوشی کے جواز کے فتوے منظر عام پر آچکے ہیں جو صرف اور صرف مغربی آقاؤں اور مغرب زدہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے انتہائی ناپاک جارت ہے۔ اور اسی قبیل کی جارتیں یہ بھی ہوئیں کہ حقوق نسواں بل کے نام پر مغربی جراثیم کے متحمل مرد وزن کو کھلی چھوٹ دینے کی کوشش کی گئی، اسی طرح نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے حوالے سے سزائے موت کی سزا کے مسئلے کو چھیڑا گیا۔ اور اس میں باطل کی آمیزش کرنے کی کوشش کی گئی۔

تقاریب اختلاط مرد وزن

لوگ بالعموم اور کالجز اور یونیورسٹیوں سے تربیت یافتہ نئی نسل (New Generation) بالخصوص مرد وزن کے اختلاط کو وقت کی ضرورت سمجھتی ہے اور صنف نازک کے ساتھ بھی اسے عین انصاف قرار دیا جاتا ہے کہ وہ مرد کے شانہ بشانہ رہے۔ دراصل یہ ایک سازش ہے کہ اس راستے سے مرد وزن کی شہوت کو ابھار کر ان کی دینی غیرت وحمیت کو شہوت کے پہاڑ تلے کچل دیا جائے۔ اور مسلمان بس نام کا مسلمان رہ جائے اور انگریز کی بولی بولتا چلا جائے۔ شاید اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

نئی نسل کو اپنی اس بری خصلت (جو سراسر غیر اسلامی ہے) اور اس کے مضر اثرات کو بھی سمجھنا پڑے گا اور حد درجہ کوشش کرنی ہے کہ اس فریب سے خود کو آزاد کروائیں۔

موسیقی

آج کے نوجوان میں ایک برائی یہ بھی بہت پائی جاتی ہے کہ وہ موسیقی کا دلدادہ نظر آتا ہے، اسے روح کی غذا سمجھتا ہے۔ اس کی خوشی، تفریح، تہوار اور غمی سمیت کوئی موقع موسیقی سے خالی نظر نہیں آتا۔ بلکہ اب تو یہ موسیقی مساجد میں پہنچ گئی ہے۔ اور کچھ عرصہ قبل ایسے لوگ بھی منظر عام پر آنا شروع ہو گئے جنہوں نے شرعی نصوص کو توڑ مروڑ کر اسے جائز قرار دینے کی ناکام کوشش کی، گویا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مصداق بن گئے آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور موسیقی کو حلال قرار دیں گے۔

]39[

بحمد للہ ربانی علماء بروقت اس فتنے کی سرکوبی کے لئے کمر بستہ ہو گئے، اور ان ریشہ دوانیوں کی حقیقت کو فوری سامنے لایا گیا۔ اس کے باوجود اس مزاج کے لوگ اپنی اس روش پر قائم ہیں۔ اور آج جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، موسیقی کو ترویج اس طرح سے بھی دی جا رہی ہے کہ ان دنوں آزادی مارچ کے نام سے اسلام آباد میں ایک سیاسی دھرنے کا سلسلہ کم و بیش سوا مہینے سے جاری ہے۔ جس میں جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط موجود ہے۔ اور موسیقی کا انتظام ہے۔ جس کی دھنوں پر یہ اوباش لڑکے لڑکیاں اجتماعی طور پر مست ہیں اور رقص و سرور کی محفلیں قائم ہیں۔ اور باقاعدہ یہ بات اس حلقہ کے لیڈر نے تسلیم کی ہے کہ اس موسیقی اور گانوں کے ان انتظام کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ نوجوان بور نہ ہوں۔ الامان والحفیظ۔ اندازہ لگایا جائے جس قوم کے نوجوانوں کی بوریت ختم کرنے کا واحد حل موسیقی کو ٹھہرا دیا جائے، وہاں اللہ کا عذاب نہ آئے تو اور کیا ہو؟؟ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں تو موسیقی کی شدید مذمت موجود ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صوتان ملعونان في الدنيا والآخرة، مزمار عند نعمة، ورنة عند مصيبة

’’دو قسم کی آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں، ایک نعمت ملنے پر موسیقی کی آواز اور دوسری مصیبت کے وقت چیخنے چلانے کی آواز۔‘‘ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله حرم علي أو حرم الخمر والميسر والكوبة

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر شراب، جوا اور طبلہ / موسیقی کو حرام کر دیا ہے۔][41]

بہر حال موسیقی کی مذمت میں کئی ایک روایات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس آج کا مسلمان ہے کہ اسے اللہ کی حرام کردہ چیز اور ملعون

چیز میں سرور و سکون ملتا ہے اور اس کی بوریت ختم ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب آلات موسیقی، گانے بجانے والیاں اور شراب عام ہو جائے گی اس وقت میری امت میں قذف (تہمت)، مسخ (شکلوں کا مسخ ہونا) اور خسف (زمین میں دھنسایا جانا) کے واقعات ہوں گے۔][42]

فکری حملے

چونکہ ہمارے اسکول سے لے کر یونیورسٹیز تک اسلامی تعلیم صرف نام کی حد تک ہے اور بسا اوقات ایسے مناظر بھی دیکھے گئے ہیں کہ اسلامیات جیسے مضمون (subject) کو پڑھانے کے لئے کسی جدت پسند مغربی افکار کے حامل شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ اس راستے سے جو تھوڑی بہت نئی نسل کو اپنے دین کی تعلیم ملتی ہے وہ راستہ بھی بند ہو جائے۔ اور کمیونسٹ قسم کا یہ اسلامیات پڑھانے والا ٹیچر اب مکمل طور پر طلباء کو نظریہ ارتقاء جیسے بدنام زمانہ نظریہ اور دیگر باطل نظریات کو غیر محسوس انداز میں نئی نسل کے ذہنوں میں ڈالتا چلا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان یونیورسٹیز سے ڈاکٹر، انجینئرز پیدا ہوں یا نہ ہوں کمیونسٹ اور سیکولر قسم کے لوگ پیدا ضرور ہو رہے ہیں اور پھر یہی نئی نسل اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شبہات وارد کرتی نظر آتی ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ آج کا یہ نوجوان ایسا مسلمان ہے کہ جو غسل کا طریقہ سمیت کئی ایک مبادیات اور ضروریات دین سے ناآشنا ہے۔ حتی کہ اس کا بھائی فوت ہو جائے یا اس کا اپنا ہی والد یا والدہ وغیرہ کا انتقال ہو جائے تو اسے غسل دینے، کفنانے، دفنانے اور نماز جنازہ جیسے اہم حقوق سے بھی ناواقف ہوتا ہے جسے مسلمان کے حقوق میں شمار کیا گیا ہے حتی کہ میت کے دفنائے

جانے کے بعد اب بھی منتظر ہے کہ اس کے گھر پر کوئی آجائے اور قرآن پڑھ جائے اور قرآن خوانی ہو جائے۔ یہ نئی نسل کی ابتری کی حالت ہے۔

نسل گر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر

اس پر مزید یہ کہ اپنے دین سے اس قدر لاعلم یہ اسلام سے متنفر مسلم نوجوان دوسرے مذاہب میں محاسن تلاش کرتا ہے حالانکہ اگر یہی توجہ اگر اپنے دین کے حوالے سے دی جائے تو اسے دین اسلام مجموعہ خیر نظر آئے گا۔ بہر حال اس نئی نسل کے ساتھ ستم بالائے ستم یہ بھی ہے کہ مدتِ طویل سے غیر محسوس انداز میں اس کا فکری اغواء کیا جا رہا ہے۔ اور آج کا یہ مسلم نوجوان اس دلدل میں پھنستا چلا جا رہا ہے۔ اب اسے مغرب کی ہر نجاست میں حسن نظر آتا ہے اور بڑی مرعوبیت کے ساتھ اسے اختیار کر لیتا ہے۔

ان برے خصائل کا حل

ان تمام برے خصائل کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ نوجوان اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اسلام کے فہم اور اس کی دعوت کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔ اور اپنی چھٹی حس کو اس قدر قوی کر لے کہ وہ اس طرح کی تمام سازشوں کو بروقت محسوس کر سکے اور اپنی ذات کو اس طرح کے عوامل سے محفوظ رکھتے ہوئے امت کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے۔

آج مسلم قوم کو جس جوان کی تلاش ہے، وہ ایک ایسا نوجوان:

جو ہر دلعزیز شخصیت ہو۔

جو تمام محاسن کا جامع ہو۔

تمام برائیوں کے بارے میں نفرت اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے والا ہو۔

والدین و دیگر اکابر کا ادب کرنے والا ہو۔

جس میں یہ صلاحیتیں بھی موجود ہوں کہ وہ اچھے سے اچھے انداز میں نئی نسل کی تربیت کر سکے۔

ایسے ہی جوان کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

جوان ہوں میری قوم کے جسور و غیور

قلندری میری کچھ کم سکندری سے نہیں

آخر میں یہی دعا ہے کہ اللہ امت کو ایسے جوان عطا فرمائے جن کی جوانیاں تاریخ کے روشن اوراق بن جائیں اور جوانی اور اسلام کا حق ادا کر جائیں۔ اور ہمارے لیڈروں کو بھی یہ توفیق دے کہ وہ جوانوں سے جوانوں والا کام لیں نہ کہ انہیں معقّل زندگی گزارنے دی جائے۔ اور ساتھ یہ بھی دعا ہے کہ ہمارے نوجوان ایسے نہ ہوں کہ:

اپنے دین و ملت کی مبادیات سے بھی ناواقف ہوں۔

والدین سمیت اکابر کو پرانے لوگ قرار دے کر ان کی تحقیر کرتے ہوں۔

کسی بھی چیز کو اپناتے وقت کوئی معیار ان کے پاس نہ ہو۔

ایسے بے شعور نہ ہوں کہ کالانعام (جانوروں کی طرح) ہوں جسے، جو جدھر چاہے ہانک لے وہ وہیں چلنا شروع کر دیں۔

اپنے ہی آپ میں اس قدر مگن نہ ہوں کہ لوگ مفاد پرست (Selfish) کے نام سے جانتے ہوں۔ قوم و ملت اور امت کے مفادات سے ناآشنا اور ان کے لئے کسی قسم کی کوئی قربانی دینے کا جذبہ بھی نہ ہو۔

یہ کچھ سطور جوانوں کے لئے ایک رہنما تحریر کی حیثیت رکھتی ہیں، اللہ اس ملت کے سپوتوں نرغۂ اعیار سے محفوظ رکھے اور کما حقہ دین وملت کی خدمت کی توفیق دے ۔آمین

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے

جو قلب کو گرمادے جو روح کو تڑپادے

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

[2] صحیح بخاری: کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ بالیمین، صحیح مسلم: کتاب الزکوۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ

[3] جامع ترمذی: أبواب صفۃ القیامۃ...، باب في القیامۃ، المعجم الکبیر: 9772، المعجم الصغیر: 760، (حسن)

[4] مستدرک حاکم: کتاب الرقاق حدیث: 7846، شعب الایمان: الزہد و قصر الامل، حدیث: 9767

[5] الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع

[6] صید الخاطر

[7] جامع ترمذی: 2398، ابواب الزہد، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء

[8] صحیح بخاری: 3887، کتاب مناقب، باب المعراج

[9] صحیح بخاری: 3911، کتاب مناقب الانصار، باب ھجرۃ النبی

[10] صحیح بخاری: کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان للمسافر إذا کانوا جماعۃ والإقامۃ وکذلک بعرفۃ وجمع وقول المؤذن الصلاۃ في الرحال في اللیلۃ الباردۃ أو المطیرۃ

[11] صحیح مسلم: کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا

[12] صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب بعث النبي صلی اللہ علیہ وسلم أسامة بن زید إلی الحرقات من جهينة

[13] صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب غزوة ذی قرد

[14] صحیح مسلم: 1807، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوة ذی قرد وغیرھا

[15] اسد الغابة

[16] صحیح بخاری: 4270، کتاب المغازی، باب بعث النبي ﷺ أسامة بن زید إلی الحرقات من جهينة

[17] صحیح بخاری: 4270، کتاب المغازی، باب بعث النبي ﷺ أسامة بن زید إلی الحرقات من جهينة

[18] مسند احمد: حدیث: 15380،، ونسخۃ اخریٰ مع التحقیق الشیخ شعیب الارناؤوط: 91/24

[19] ایضاً

[20] مسند احمد: حدیث: 15376، ص: ۴۰۸/۳، ونسخۃ اخریٰ مع التحقیق الشیخ شعیب الارناؤوط: 91/4، والسنن الکبری للبیھقی: ۱۹۷۰، جس کے الفاظ یوں ہیں: "اذھب فأذن عند البیت الحرام" "

[21] مصنف ابن ابی شیبۃ: 2167

[22] شرح النووی: 302/4، طبع دار المعرفۃ بیروت

[23] سنن دارمی: 1232، کتاب الصلوۃ، باب الترجیع فی الاذان

[24] صحیح بخاری: کتاب التفسیر، باب قولہ: {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ..}

[25] جامع ترمذی: ابواب الاستئذان والادب باب ماجاء فی تعلیم السریانیۃ

[26] صحیح بخاری: 6412، کتاب الرقاق، باب لاعیش إلا عیش الآخرۃ

[27] صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید، باب المسک، صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب، باب استحباب مجالسۃ الصالحین ومجانبۃ قرناء السوء

[28] صحیح بخاری: کتاب النکاح، باب مایکرہ من التبتل والخصاء

[29] صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ إلیہ ووجد مؤنہ...

[30] ایضاً

[31] صحیح ابن خزیمۃ: 3031، کتاب المناسک، باب ذکر الدلیل علی أن الشیخ الکبیر...الخ

[32] سنن ابی داؤد: کتاب النکاح باب مایؤمر بہ من غض البصر

[33] صحیح بخاری: کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ بالیمین

[34] صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس، باب ماکان النبي ﷺ یعطي المؤلفۃ قلوبھم وغیرھم من..

[35] صحیح بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام

[36] جامع ترمذی: ابواب السفر، باب ماذکر فی فضل الصلوۃ

[37] سنن ابن ماجۃ: کتاب الطب، باب تعلیق التمائم، صحیح ابن حبان: 6085، کتاب الرقیٰ والتمائم، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، نیز امام حاکم کی تصحیح، صاحب مجمع الزوائد بوصیری کی تحسین اور محمد بن عبد الوھاب کے سند لا بأس بہ کہنا ان سب کا جائزہ بھی لیا ہے۔ دیکھئے: الضعیفۃ: 1029 ہر حال اس مضمون کی دیگر روایات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ تعویذ لٹکانا شرک ہے اگر وہ قرآنی نہ ہو۔ اور قرآنی تعویذ کا لٹکانا بھی جائز نہیں۔

[38] سنن ابی داؤد: کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، مسند احمد: 2/50

[39] صحیح بخاری: کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیہ بغیر اسمہ

[40] مسند بزار

[41] سنن ابی داؤد: کتاب الاشربۃ، باب فی الاوعیۃ وصححہ الالبانی

[42] جامع ترمذی: ابواب الفتن، باب ماجاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف، صححہ الالبانی

(4) پاکستان اور سعودی عدالتی نظام کی خصوصیات اور تقابلی جائزہ!

فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ

قضا (نظامِ قضا)، عدل اور قانون کا لغوی اور اصطلاحی تعارف

(الف) قضا کی لغوی تعریف

لغوی طور پر قضا کا مادہ 'ق، ض، ی' (RoSot) ہے جس کے درج ذیل معانی آتے ہیں:

" (1) إحكام الأمر وإتقانه والفراغ منه "

دوسرے الفاظ میں

"القاطع للأمور المحكم لها" أي إتمام الشيء قولا وفعلا"

' 'کسی معاملے کو مضبوط اور پختہ کرنا اور (مکمل کر کے) اس سے فارغ ہو جانا"۔

بالفاظِ دیگر "مکمل کیے گئے اُمور کو حتمی کر دینا"۔ یعنی قولاً و فعلاً اسے مکمل کر دینا۔][2

جیسے اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین ہیں:

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ

فصلت–12

' 'تب اُس نے دو دن کے اندر سات آسمان بنا دیے۔" یعنی ان کی تخلیق کو مکمل کر دیا۔

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ

البقرۃ–200

' 'پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، تو جس طرح اپنے آباو اجداد کا ذکر کرتے تھے، اس طرح اللہ کا ذکر کرو۔"

فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ

الاحزاب–23

’ ’ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔“

(2) القضاء کا مطلب ’الحکم‘ یعنی فیصلہ کرنا اور ’الإلزام‘ یعنی دوسرے پر لازم کرنا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ

طٰہٰ–72

یعنی ”تم فیصلہ کر لو جو بھی کرنا ہے۔“

اسی بنا پر قاضی کو قاضی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کے معاملات میں فیصلے کر کے اُن پر لاگو کرتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے فرامین ہیں:

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ

المائدۃ–49

’ ’(اے محمد ﷺ!) تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق اِن لوگوں کے مابین فیصلہ کرو۔“

حاصل کلام یہ ہوا کہ قضا کے اندر فیصلے کی پختگی اور نفاذ کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔

(3) قضا کا مطلب الأمر بھی ہے یعنی ”صرف حکم دینا“ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ

الاسراء–23

’ ’تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ اپنے رب کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔“

(ب) ’قضا‘ کا اصطلاحی مفہوم

قضا کے اصطلاحی معنی درج ذیل ہیں:

’ ’فصل الخصومات وقطع المنازعات بحکم شرعي علی سبیل الإلزام“۔

’ ’جھگڑوں اور تنازعات کو یوں ختم کر دینا کہ شرعی حکم فریقین پر لازمی قرار پائے۔]“3[

”فصل الخصومات بقول ملزم صادر من ذي ولاية عامة“أي فصلها بين الناس بالأحكام الشرعية حسما للتداعي وقطعا للنزاع“

”حاکم کی جانب سے صادر ہونے والے لازمی آرڈر کے ساتھ جھگڑوں کو ختم کرنا۔“یعنی ”شرعی احکام کے ذریعے لوگوں کے درمیان دعووں کے خاتمے اور نزاع کو نمٹانے کے لیے فیصلہ کرنا۔]“4[

مسلم فقہا نے اس کی متعدد تعریفات کی ہیں جن کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ دو جھگڑا کرنے والوں کو اس فیصلہ کا پابند کیا جائے جو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہو، گویا اس فیصلہ کو ان پر نافذ کیا جائے۔

’نظام قضا‘ کی تعریف

’شرعی نظام قضا‘ کی تعریف یوں ہے:

”نظام القضاء في الشريعة الإسلامية يقوم على جملة أركان ومرتكزات فهو يستلزم وجود من يقوم بحسم الخصومات وفض المنازعات“۔

’ ’شریعتِ اسلامیہ میں نظامِ قضا ان تمام ستونوں اور بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، جو جھگڑوں کے خاتمے اور تنازعات کے حل کے ضروری ہوتے ہیں۔]“5[

جبکہ عام یعنی ’وضعی نظام قضا‘ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

”مجموعة من القواعد المنظمة لهيئات السلطة القضائية في الدولة ولولايتها“۔

’ ’ایسے ضوابط کا مجموعہ جو ریاست میں عدلیہ اور با اختیار اداروں کی تنظیم کی غرض سے بنائے جاتے ہیں۔]“6[

نوٹ: قواعد و ضوابط کی عملداری کے دوران جو رویے تشکیل پاتے ہیں، وہ بھی ایک روایت بن جاتے ہیں ان ضوابط اور روایات کا مجموعہ ’نظام‘ کہلاتا ہے۔

(ج)قانون،عدل اور شریعت

قانون کے لفظ کا پس منظر اور مفہوم یہ ہے:

"القانون كلمة يونانية الأصل تلفظ كماهي Kanun فانتقلت إلى الفارسية بنفس اللفظ ثم عُربت عن الفارسية بمعنى الأصل و درج استخدامها بمعنى 'أصل الشيء الذي يسير إليه أو المنهج الذي يسير بحسبه أو النظام الذي على أساسه تنتظم مفردات الشيء"۔

' 'لفظ 'قانون' یونانی الاصل ہے جو پہلے فارسی میں اسی تلفظ Kanun کے ساتھ منتقل ہوا پھر فارسی سے اپنے اصلی معنیٰ میں ہی عربی زبان میں استعمال ہونے لگا جس کا مفہوم وہ بنیاد ہے جس کے مطابق عملداری ہوتی ہے یا وہ طریق کار ہے جسے اختیار کیا جاتا ہے یا ایسا نظام ہے جس کے تحت کسی معاملے کے اجزاء ترتیب پاتے ہیں۔"

قانون کی عام اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ:

"القانون هو مجموعة القواعد القانونية التي تهدف إلى تنظيم سلوك الأفراد في المجتمع وتكون مسحوبة بجزاء توقِعه السلطة العامة على المخالف عند الاقتضاء"۔

' 'قانون سے مراد قانونی قواعد کا وہ مجموعہ ہے جن کا مقصد معاشرے میں افراد کے رویوں کو منظم کرنا ہو، جبکہ وہ کسی ایسی سزا کے ساتھ منسلک ہو، جسے بوقتِ ضرورت خلاف ورزی کرنے والے پر پبلک اتھارٹی (حکومت) جاری کرے گی۔]"7[

قانون کی دوسری تعریف یوں کی گی ہے:

"وهو القواعد التي تنظم سلوك الأفراد في المجتمع تنظيمًا ملزمًا ومن يخالفها يعاقب وذلك كفالة لاحترامها"۔

' 'قانون سے مراد وہ قواعد ہیں جو معاشرے میں افراد کے رویّوں کو لازمی طور پر منظم کرنے کے لیے ہوتے ہیں، اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا ہے، اسے سزا دی جاتی ہے، اور یہ سزا اس قانون کے احترام کی غرض سے دی جاتی ہے۔"

خصوصی قوانین

(ا) خصوصی معاملات پر بننے والے قانون کی تعریف یہ ہے:

"مجموعة القواعد المنظمة لأمر معيّن وضعت عن طريق السلطة التشريعية"۔

' 'کسی بھی خاص موضوع پر قوانین کا ایسا مجموعہ، جو قانون سازی کا اختیار رکھتے ہوئے تشکیل دیا گیا ہو۔]"8[

(ب) کسی خاص علاقے کے لیے بننے والے قانون کی تعریف یہ ہے:

"مجموعة القواعد القانونية النافذة في بلد ما يقال القانون الفرنسي"۔

' 'کسی ملک میں نافذ قانونی قواعد کا مجموعہ جیسے کہا جاتا ہے: فرانسیسی قانون"۔]9[

قانون کی تیسری تعریف یوں کی گئی ہے:

"القانون هو مجموعة من القواعد و الأسس التي تعمل على تنظيم المجتمع"۔

' 'قانون سے مراد ایسی بنیادوں اور قواعد کا مجموعہ ہے کہ معاشرے کی تنظیم کے لیے جن پر عمل کیا جاتا ہو۔]"10[

عدل کی تعریف یہ ہے:

"العدل هو فصل الحكومة على ما في كتاب الله سبحانه و سنة رسوله، لا الحكم بالرأي المجرد۔ كقوله تعالى:
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ
النساء–58

عدل سے مراد یہ ہے کہ "حکومت محض شخصی رائے کے ساتھ فیصلہ کرنے کی بجائے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کرے۔]"11[

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل افراد کے سپرد کرو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ ہی فیصلہ کرو۔"

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"كِتَابُ اللهِ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَ حُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، وَهُوَ الفَصْلُ لَيْسَ بِالهَزْلِ. . . مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ، وَ مَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ، وَ مَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ، وَ مَنْ دَعَا إِلَيْهِ هَدَى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ"۔

' 'یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں، بعد میں آنے والوں کے لیے پیشین گوئیاں ہیں، تمہارے درمیان جھگڑوں کے فیصلے ہیں، یہ فیصل ہے، مزاح نہیں ہے۔... جس نے اس کی بات کی، اس نے سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا اس نے ثواب پالیا، جس نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا، اس نے سیدھے رستے کی طرف دعوت دی۔]"12[

انصاف صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

المائدة–47

' 'جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی ظلم کرنے والے ہیں۔"

شریعت کی تعریف مختلف انداز سے کی جاتی ہے، پہلے ہم وہ تعریف ذکر کریں گے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پہلے شریعت کی حقیقی تعریف پھر بگڑی ہوئی تعریفوں کو واضح کیا ہے، اور بعد ازاں شریعت کی وہ تعریف ذکر کریں گے، جو پاکستان کے جملہ مکاتبِ فکر کے ہاں مسلمہ اور متفقہ ہے۔

شریعت کا لفظ مداہنت سے فقہ اور بگڑی ہوئی شریعت پر بھی بول دیا جاتا ہے لیکن اللہ کی نازل کردہ شریعت صرف کتاب وسنت ہی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لفظ 'الشرع' فی هذا الزمان یطلق علی ثلاثة معان: شرع منزّل و شرع متأول و شرع مبدل... فالمنزل: الکتاب و السنة فهذا الذی یجب اتباعه علی کل واحد و من اعتقد انه لا یجب اتباعه علی بعض الناس، فهو کافر۔

عصر حاضر میں لفظ شرع کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے۔ شرعِ منزل، شرعِ متاول اور شرع مبدل۔ شرع منزل سے مراد کتاب وسنت ہے جس کی اتباع کرنا ہر ایک پر واجب ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ بعض لوگوں پر اس کی اتباع واجب نہیں ہے، وہ کافر ہے۔

گویا اجتہاد اگرچہ مشروع ہے لیکن کتاب وسنت سے مستنبط اجتہاد کا ثمرہ 'فقہ' کہلاتی ہے۔ شریعت محمدیہ میں حقیقی اختلاف نہیں ہو سکتا اس لیے وہ ایک ہی ہے مگر مجتہدین کا اختلاف بسا اوقات حقیقی ہوتا ہے اور پھر کتاب وسنت کی تعبیر تو عموماً متنوع ہوتی ہے اسی لیے فقہ میں تعدد لازمی ہے۔ فقہ حنفی، فقہ جعفری، فقہ زیدی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ ظاہری کے الفاظ کا استعمال علماء کے ہاں عام ہے جبکہ حنفی شریعت اور شافعی شریعت کا لفظ گوارا نہیں کیا جاتا۔ صدر محمد ضیاء الحق مرحوم کے زمانہ میں سینٹ میں پیش کردہ شریعت بل پر جب اختلاف ہوا تو 1986ء میں اسے اتفاقی بنانے کے لیے مسلمانوں کے جملہ مکاتب فکر نے شریعت بل کی دفعہ (2) شق (ج) میں یہی تعریف کی تھی کہ 'شریعت سے مراد کتاب وسنت ہے"۔

مذکورہ بالا تفصیل سے علم ہوا کہ شریعت سے مراد صرف کتاب وسنت ہے اور فقہا کی آرا کو شریعت نہیں کہا جا سکتا۔

(د) نزولِ شریعت کا مقصد

شریعت کے نزول کا مقصد اللہ کی بندگی اور اطاعت کے ذریعے معاشرے میں عدل وانصاف کا قیام بھی ہے:

قَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

الحدید–25

’’ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔‘‘

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

النساء–58

’’اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔‘‘

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

المائدة–8

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔‘‘

اور وہی معاشرے ترقی پاتے ہیں جہاں عدل وانصاف کی حکومت ہو، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

’’إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا يُقِيمُونَ الحَدَّ عَلَى الوَضِيعِ وَيَتْرُكُونَ الشَّرِيفَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ فَعَلَتْ ذَلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا‘‘

’’تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ کمزوروں پر تو حد قائم کرتے اور بلند مرتبہ لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری

جان ہے۔ اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی (چور) کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ لیتا۔]" 13[

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام 'نظام القضاء في الدّول الإسلامية' (النظرية والتطبيق) کے عنوان سے بین الاقوامی کانفرنس کے مرکزی مباحث میں "تشريع الأحكام القضائية في الاسلام" (المصادر التي يجب أن يعتمد عليها القاضي في إصدار أحكامه) کو ملحوظ رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب کے عدالتی نظام کی قانونی حدود کے لیے پہلے دونوں دساتیر کا جائزہ لیا جائے۔ چنانچہ دونوں دساتیر کی الگ الگ اسلامی خصوصیات کا ذکر کر کے، پہلے چند تقابلی نکات بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جس کے بعد دونوں اسلامی ممالک کے نظام القضاء کی چند خصوصیات کا ذکر اور تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

پاکستانی اور سعودی دستور (نظام الحکم) کی اسلامی خصوصیات کا تجزیہ

کسی بھی ملک میں جاری قانونی نظام کے دو اہم پہلو ہیں:

ایک پہلو تو دستوری اور بنیادی قانون کے حوالے سے ہوتا ہے کہ اس میں اُصولی طور پر کیا کیا ضوابط قائم کیے گئے ہیں یہ نظام الحکم یا دستور کہلاتا ہے۔ جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس دستور و قانون یا انصاف کے حصول کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے گا، جس میں قاضی کون ہوں گے؟ کس طرح نظام قضا چلے گا، اور فیصلہ کس طرح ہوگا، اگر کسی فیصلہ میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو نظر ثانی یا اپیل کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ اس کو نظام القضاء کہا جاتا ہے۔

اس وقت 1973ء میں منظور ہونے والا پاکستانی دستور ملک میں نافذ العمل ہے، جس میں اب تک 28 ترامیم بھی ہو چکی ہیں، یہ دستور 280 دفعات پر مشتمل ہے۔ جبکہ سعودی عرب میں نافذ العمل نظام الحکم (دستور) یکم مارچ 1993ء کو نافذ کیا گیا، جس کے سات حصوں میں 80 دفعات ہیں، اس کے ساتھ ہی مجلس شوریٰ کا نظام بھی قائم کیا گیا جس کی 34 دفعات ہیں۔ ذیل میں ہر دو دساتیر کی اسلامی دفعات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پاکستانی دستور کی اسلامی دفعات

واضح رہے کہ پاکستانی نظام میں ایک قانون تو وہ ہے جو پارلیمنٹ کے ذریعے منظور ہوتا ہے، اور دوسرا قانون کا وہ حصہ ہے جسے شرعی عدالت یا دیگر عدالتیں اصل قانون کی وضاحت کرتے ہوئے متعین کرتی ہیں۔ ان ہر دو بنیادوں پر پاکستان کے مرکزی اور ذیلی قوانین میں اسلامی دفعات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(1) قرارداد مقاصد [14 12 (Objective Resolution) [مارچ 1949ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی تھی جو دستور کا دیباچہ ہی رہی تاہم 1977ء کے انقلاب کے بعد پاکستانی دستور کے آرٹیکل 2 کے بعد 2 A کا اضافہ کر کے قرارداد مقاصد کو آئین کا لازمی حصہ مارچ 1985ء میں بنایا گیا تھا۔ لیکن پاکستان کی سپریم کورٹ کے پانچ ججوں پر مشتمل فل بینچ نے جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں زیر سماعت مقدمہ حاکم خان وغیرہ بنام حکومت پاکستان میں بتاریخ 19 جولائی 1992ء فیصلہ کیا کہ آرٹیکل 2 A کو دستور کے باقی آرٹیکل پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہے۔ اس لیے پارلیمنٹ ہی دیگر آرٹیکلز میں ترمیم کر کے تضادات ختم کر سکتی ہے[15]۔

قرارداد مقاصد کا اُردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے۔ اس نے جمہور کے ذریعے مملکتِ پاکستان کو جو اختیار سونپا ہے، وہ اس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

مجلس دستور ساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خود مختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

جس کی رو سے مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔

جس کی رو سے اسلام کے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اُصولوں کا پورا اتباع کیا جائے گا۔

جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنا دیا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن و سنت میں درج اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔

جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی اہتمام کیا جائے گا کہ اقلیتیں، اپنے مذاہب پر عقیدہ رکھنے، عمل کرنے اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دینے کے لیے آزاد ہوں۔

جس کی رو سے وہ علاقے جو اَب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں، ایک وفاق بنائیں گے جس کے صوبوں کو مقررہ اختیارات و اقتدار کی حد تک خود مختاری حاصل ہو گی۔

جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں جہاں تک قانون و اخلاق اجازت دیں، مساوات، حیثیت و مواقع کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور جماعت کی آزادی شامل ہو گی۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقات کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔

جس کی رو سے نظامِ عدل گستری کی آزادی پوری طرح محفوظ ہو گی۔

جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی صیانت، آزادی اور جملہ حقوق، بشمول خشکی و تری اور فضا پر صیانت کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا تا کہ اہل پاکستان فلاح و بہبود کی منزل پا سکیں اور اقوام عالم کی صف

میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کریں اور امن عالم اور بنی نوع انسان کی ترقی و خوش حالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔"

پاکستان کے دستور 1973ء میں جو مزید دفعات اسلامی کہی جاتی ہیں ان کا مختصر ذکر یوں ہے:

-(2) آرٹیکل 29 سے 40 تک جو پالیسی کے اصول ہیں، وہ بھی اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ پر مبنی ہیں اگرچہ آرٹیکل 30 کی شق 2 میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ انہیں کسی عدالت میں قانونی لزوم کے طور پر چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم قومی زبان اردو کے بارے میں سپریم کورٹ نے حال ہی میں آرٹیکل 251 کے تحت اہم فیصلہ کیا ہے جسے نافذ کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ پنجاب نے نوٹیفکیشن کر دیا ہے۔

- (3) مسلم عائلی قوانین 1961ء

-(4) قادیانی غیر مسلم اقلیت 7/ ستمبر 1974ء

-(5) ہائیکورٹوں میں شریعت بنچ 1979ء] 16[

-(6) بدکاری کا انسداد 1962ء

-(7) حدود آرڈیننس 1979ء

-(8) سود کا خاتمہ...ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے سلسلے میں

-(9)وفاقی شرعی عدالت کا قیام...26 مئی 1980ء

-(10)زکوٰۃ و عشر آرڈیننس...20 جون 1980ء

-(11)نفاذِ شریعت آرڈیننس 15 جون 1988ء

-(12)حق شفعہ کے قانون کی بیشتر دفعات جو سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپلیٹ بنچ) کے فیصلہ 1986ء کی رو سے غیر اسلامی قرار پائیں۔

-(13)قصاص و دیت کے قانون کی 56 دفعات (جون 1990ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپلیٹ بنچ) نے قرآن و سنت کے احکام کے منافی قرار دیں۔ اس فیصلہ میں یہ اہم امر بھی شامل کیا کہ اگر متعینہ مدت تک نیا قانون نافذ نہ کیا گیا تو قرآن و سنت کے احکامات براہ راست نافذ ہوں گے)

-(14)امتناعِ توہین رسالت کا قانون، 30/ اپریل 1991ء، شرعی عدالت کے فیصلے کی رو سے

-(15)بعض سودی قوانین جنہیں 26 جون 1990ء کے بعد 14/ نومبر 1991ء کو وفاقی شرعی عدالت نے غیر اسلامی قرار دیا تھا۔ لیکن اب تک اپیلوں اور ریمانڈ وغیرہ کے ذریعے حکومت نے سودی قوانین کو شریعت سے محفوظ کر رکھا ہے۔][17

سعودی عرب کے دستور (نظام الحکم) کی اسلامی دفعات

سعودی دستور کی براہ راست نفاذ شریعت کے بارے میں اہم دفعات کا متن مع ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

"(1)المادة الأولى: المملكة العربية السعودية دولة عربية إسلامية، ذات سيادة تامة، دينها الإسلام، ودستورها كتاب الله تعالى وسنة رسول الله، ولغتها هي اللغة العربية، وعاصمتها مدينة الرياض"۔

’ ’آرٹیکل 1: مملکتِ سعودی عرب مکمل طور پر خود مختار عرب اسلامی ملک ہے، اس کا دین ’اسلام‘، دستور ’کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم‘، زبان ’عربی‘ اور دارالحکومت ’الریاض‘ ہے۔“

”-(2) المادة السادسة: يبايع المواطنون المَلِك على كتاب الله تعالى وسنة رسوله، وعلى السمع والطاعة في العُسر واليسر والمنشط والمكره“۔

’ ’آرٹیکل 6: ملک کے تمام شہری بادشاہ کی، کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ پر، نیز تنگی و خوشحالی اور پسند و ناپسند، ہر صورت میں سمع و طاعت پر بیعت کریں گے۔“

”-(3) المادة السابعة: يستمدّ الحكم في المملكة العربية السعودية سلطته من كتاب الله تعالى، وسنة رسوله، وهما الحاكمان على هذا النظام وجميع أنظمة الدولة“۔

’ ’آرٹیکل 7: حکومت کے ملک میں جملہ اختیارات کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی بنا پر ہوں گے، اور ان دونوں (کتاب و سنت) کو اس نظامِ حکومت اور ملک میں رائج دیگر تمام نظاموں پر بالادستی اور برتری حاصل ہوگی۔“

”-(4) المادة الثامنة: يقوم الحكم في المملكة العربية السعودية على أساس العدل والشورى والمساواة وفق الشريعة الإسلامية‘

’ ’آرٹیکل 8: حکومت، شریعتِ اسلامی کے مطابق عدل و انصاف، شورائیت اور مساوات جیسے بنیادی اُصولوں پر قائم رہے گی۔“

”(5) المادة التاسعة: الأسرة هي نواة المجتمع السعودي، ويُربى أفرادها على أساس العقيدة الإسلامية وما تقتضيه من الولاء والطاعة لله ولرسوله ولأولي الأمر، واحترام النظام وتنفيذه وحبّ الوطن والاعتزاز به وبتاريخه المجيد“۔

’ ’آرٹیکل 9: سعودی معاشرے کی بنیاد ’خاندان‘ ہے جس کے افراد کی تربیت اسلامی عقیدے کی بنیاد پر کی جائے گی، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ، اُس کے

رسول ﷺ اور اولوا الامر کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کی جائے۔ اسی طرح حکومت کے نافذ کردہ نظاموں کا احترام، وطن کی عزت و محبت اور اس کی شاندار تاریخ کی بنیاد پر کیا جائے۔"

"(6)المادة العاشرة: تحرص الدّولة على توثيق أواصر الأسرة، والحفاظ على قيمها العربية والإسلامية، ورعاية جميع أفرادها، وتوفير الظروف المناسبة لتنمية ملكاتهم وقدراتهم"۔

' "آرٹیکل 10: حکومت، خاندان کے مابین تعلق کو مضبوط بنانے، اس کی عربی اور اسلامی اقدار کی حفاظت کرنے، اس کے تمام افراد کی دیکھ بھال اور ان کی اہلیّتوں اور صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور ان سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے لیے مناسب ماحول مہیا کرنے میں انتہائی طور پر کوشاں رہے گی۔"

"(7)المادة الحادية عشرة: يقوم المجتمع السعودي على أساس من اعتصام أفراده بحبل الله، وتعاونهم على البر والتقوى، والتكافل فيما بينهم، وعدم تفرقهم"۔

' "آرٹیکل 11: سعودی معاشرے کا قیام اس اساس پر ہوگا کہ اس کے تمام افراد اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، نیکی اور پرہیزگاری کے اُصولوں پر ایک دوسرے سے تعاون کریں، باہم ایک دوسرے کا سہارا بنیں اور تفرقہ سے اجتناب کریں۔"

"(8)المادة الثانية عشرة: تعزيز الوحدة الوطنية واجب، وتمنع الدولة كل ما يؤدي للفرقة والفتنة والانقسام"۔

' "آرٹیکل 12: ملکی وحدت اور سالمیت کی حفاظت ہر سعودی شہری کا فرض ہے اور حکومت ہر ایسی کوشش سے روکے گی جو فرقہ بندی، فتنہ فساد اور انقسام پر منتج ہو۔"

"(9)المادة الثالثة عشرة: يهدف التعليم إلى غرس العقيدة الإسلام في نفوس النشئ، وإكسابهم المعارف والمهارات، وتهيئتهم ليكونوا أعضاء نافعين في بناء مجتمعهم محبين لوطنهم معتزين بتاريخه"۔

’ ’آرٹیکل 13: نئی نسل کے دلوں میں اسلامی عقیدے کی تزکیہ و آبیاری، اسے علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کے لیے امداد مہیا کرنا اور اس طرح تیار کرنا کہ وہ اپنے معاشرے کی تعمیر میں نفع بخش ثابت ہو، اپنے وطن سے محبت اور اپنی تاریخ پر فخر کرے، تعلیم کے اہداف ہوں گے۔‘ ‘

”(10) المادة السابعة عشرة: الملكية ورأس المال والعمل مقومات أساسية في الكيان الاقتصادي والاجتماعي، وهي حقوق خاصة تؤدي وظيفة اجتماعية وفق الشريعة الإسلامية.

’ ’آرٹیکل 17: ملکیت، سرمایہ اور محنت ... ملک کے اقتصادی اور اجتماعی ڈھانچے کی بنیادیں ہیں۔ یہ خاص (انفرادی) حقوق ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق اجتماعی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔“

”(11) المادة العشرون: لا تفرض الضرائب والرسوم إلا عند الحاجة، وعلى أساس من العدل، ولا يجوز فرضها أو تعديلها أو إلغاؤها أو الإعفاء منها إلا بموجب النظام“۔

’ ’آرٹیکل 20: ٹیکس اور محصولات صرف ضرورت کے تحت اور منصفانہ بنیاد پر عائد کیے جائیں گے۔ ان کا عائد کرنا یا ان میں کوئی ترمیم، یا ان کو معاف کرنا وغیرہ صرف نظام کے مطابق عمل میں آئیں گے۔“

”(12) المادة الحادية والعشرون: تجبى الزكاة وتنفق في مصارفها الشرعية“۔

’ ’آرٹیکل 21: زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اسے اس کے شرعی مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔“

”(13) المادة الثالثة والعشرون: تحمي الدولة عقيدة الإسلامية وتطبق شريعته، وتأمر بالمعروف وتنهى عن المنكر، وتقوم بواجب الدعوة إلى الله“۔

’ ’آرٹیکل 23: حکومت، عقیدۂ اسلام کی حفاظت اور شریعتِ اسلامیہ کو نافذ کرے گی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے گی اور دعوت الی اللہ کا اہتمام کرے گی۔“

"(14)المادة الرابعة والعشرون: تقوم الدولة بإعمار الحرمين الشريفين وخدمتها وتوفر الأمن والرعاية لقاصديهما، بما يمكن من أداء الحج والعمرة والزيارة بيُسرٍ وطمأنينة"۔

' 'آرٹیکل 24: حکومت، حرمین شریفین کی تعمیر اور ان کی خدمت کا فرض پورا کرے گی، ان کی طرف قصد کرنے والوں کے لیے امن وسلامتی اور ان کی دیکھ بھال کو یقینی بنائے گی تاکہ حج وعمرہ اور زیارتِ (مسجدِ نبوی ﷺ) اطمینان وسکون سے انجام پاسکیں۔"

"(15)المادة الخامسة والعشرون: تحرص الدولة على تحقيق آمال الأمة العربية والإسلامية في التضامن وتوحيد الكلمة وعلى تقوية علاقاتها بالدول الصديقة"۔

' 'آرٹیکل 25: حکومت، عرب اور مسلم اُمت کے باہمی تعاون اور اتحاد کی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے انتہائی کوشاں رہے گی اور دوست ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات مستحکم کرے گی۔"

"(16)المادة السادسة والعشرون: تحمي الدولة حقوق الإنسان وفق الشريعة الإسلامية"۔

' 'آرٹیکل 26: مملکت شریعتِ اسلامیہ کے مطابق حقوقِ انسانی کی حفاظت کرے گی۔"

"(17)المادة السابعة والعشرون: تكفل الدولة حق المواطن وأسرته في حالة الطوارئ والمرض والعجز والشيخوخة، وتدعم نظام الضمان الاجتماعي، وتشجع المؤسسات والأفراد على الإسهام في الأعمال الخيرية"۔

' 'آرٹیکل 27: ہنگامی حالت، بیماری، معذوری اور بڑھاپے میں حکومت سعودی شہری اور اس کے خاندان کے حقوق کی کفالت، 'سوشل سیکورٹی' (تحفظِ عامہ) کے نظام کی مالی امداد اور فلاحی کاموں میں حصہ لینے والے اداروں اور افراد کی حوصلہ افزائی کرے گی۔"

"(18)المادة الثالثة والثلاثون: تنشيء الدولة القوات المسلحة وتجهزها، من أجل الدفاع عن العقيدة والحرمين الشريفين والمجتمع والوطن"۔

’ ’آرٹیکل 33: حکومت مسلح افواج بنائے گی اور اُنہیں عقیدۂ اسلامیہ، حرمین شریفین، معاشرے اور وطنِ عزیز کے دفاع کے لیے تیار کرے گی۔“

”(19) المادة الرابعة والثلاثون: الدفاع عن العقيدة الإسلامية والمجتمع والوطن واجب على كل مواطن، ويبين النظام أحكام الخدمة العسكرية“۔

’ ’آرٹیکل 34: عقیدہ اسلامیہ، معاشرے اور وطن کا دفاع کرنا ملک کے ہر شہری پر لازم ہوگا۔ تاہم ایک الگ نظام فوجی خدمات کے دیگر اَحکام کو واضح کرے گا۔“

”(20) المادة الثامن والثلاثون: العقوبة شخصية ولا جريمة ولا عقوبة إلا بناء على نص شرعي، أو نص نظامي، ولا عقاب إلا على الأعمال اللاحقة للعمل بالنص النظامي“۔

آرٹیکل 38: سزا فرد کا شخصی معاملہ ہے۔ کسی شرعی یا انتظامی خلاف ورزی کے بغیر کوئی فعل جرم قرار نہیں پائے گا، نہ اس پر سزا دی جا سکے گی اور سزا بھی اُسی فعل پر دی جائے گی جو اس کے متعلق جاری ہونے والے نظام کے بعد سرزَد ہو۔“

”(21) المادة الثالثة والأربعون: مجلس الملك ومجلس ولي العهد، مفتوحان لكل مواطن ولكل مَن له شكوى أو مظلمة، ومن حق كل فرد مخاطبة السلطات العامة فيما يعرض له من الشؤون“۔

’ ’آرٹیکل 43: بادشاہ اور ولی عہد کے ایوان ہر شہری اور ہر اس شخص کے لیے کھلے ہیں جسے کوئی شکایت ہو یا جس کا حق سلب کیا گیا ہو۔ نیز ہر شہری کو اپنے معاملات کے سلسلے میں متعلقہ حکام سے رجوع کرنے کا حق ہوگا۔“

”(22) المادة الخامسة والأربعون: مصدر الإفتاء في المملكة العربية السعودية كتاب الله تعالى وسنة رسول الله، ويبين النظام ترتيب هيئة كبار العلماء وإدارة البحوث العلمية والإفتاء واختصاصاتها“۔

’ ’آرٹیکل 45: مملکت میں فتویٰ دینے کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ قانون کے ذریعے ’کبار علماء کونسل‘ اور ’ادارۂ بحوثِ علمیہ‘ کی ترتیب اور ان دونوں کے فرائض کو بیان کر دیا جائے گا۔

”(23) المادة السادسة والأربعون: القضاء سلطة مستقلة ولا سلطان على القضاة في قضائهم لغير سلطان الشريعة الإسلامية“۔

”آرٹیکل 46: عدلیہ ایک آزاد اور بااختیار ادارہ ہوگا جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی و برتری کے علاوہ اور کوئی بالادستی نہیں ہوگی۔“

”(24) **المادة الثامنة والأربعون: تطبق المحاكم على القضايا المعروضة أمامها أحكام الشريعة الإسلامية وفقًا لما دلّ عليه الكتاب والسنة، وما يصدره ولي الأمر من أنظمة لا تتعارض مع الكتاب والسنة“۔**

آرٹیکل 48: تمام عدالتیں پیش ہونے والے جملہ مقدمات میں شریعتِ اسلامیہ کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی جیسا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ نیز انتظامی عدالتیں حکام کی طرف سے نافذ کردہ اُن نظاموں کے مطابق فیصلہ کریں گی جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے مخالف نہ ہوں۔“

”(25) **المادة السابعة والستون: تختص السلطة التنظيمية بوضع الأنظمة واللوائح فيما يحقق المصلحة، أو يرفع المفسدة في شؤون الدولة وفقًا لقواعد الشريعة الإسلامية، وتمارس اختصاصاتها وفقًا لهذا النظام ونظامي مجلس الوزراء ومجلس الشورى“۔**

آرٹیکل 67: انتظامیہ کو شریعتِ اسلامیہ کے قواعد کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسے ضوابط اور پروگرام بنانے کا اختیار حاصل ہوگا جو مصالح عامہ اور رفعِ مفاسد کے لیے معاون ثابت ہوں گے۔ اسی طرح انتظامیہ اپنے خصوصی اختیارات، اس دستور، کابینہ اور مجلس شوریٰ کے نظاموں کے مطابق استعمال کرے گی۔“

پاکستان اور سعودی عرب کے دساتیر کے اسلامی آرٹیکلز کا ایک تقابلی جائزہ

(1) کتاب وسنت کی براہِ راست تنفیذ یا ان کے حوالے سے بننے والے قانون کی:

سعودی عرب کا دستور ونظام براہِ راست کتاب وسنت کی تنفیذ ہے،[18] جبکہ پاکستانی دستور وقانون میں پارلیمنٹ کی بالادستی[19] ہے۔ حتیٰ کہ کتاب وسنّت سے مستنبط احکام کا تعین بھی پارلیمنٹ کا ہی مرہونِ منت ہے۔ اور سپریم کورٹ کے فل بنچ کے فیصلے 1992ء کی رو سے ان اسلامی احکام کو دیگر دستوری دفعات پر کوئی بالادستی

حاصل نہیں ہوگی بلکہ اس کے منافی کسی دستوری آرٹیکل یاقانون کے تضاد کو دور کرنے کا اختیار صرف پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ کوئی عدالت ایسے تضاد کو ختم کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔

(2) قرآن وسنت کے منافی قرار دینے کا اُلجھا طریق کار: دستور کے باب نہم (اسلامی احکام) آرٹیکل 227 تا 231 میں قرآن وسنت سے مستنبط احکام کے منافی کسی قانون کو کالعدم قرار دینے کی بات تو ضرور کہی گئی ہے، لیکن اس کو نافذ العمل کرنے کا طریق کار اس قدر طوالت اور اُلجھاؤ کا شکار ہے کہ ان مستنبط اسلامی احکام کا نفاذ بھی عملاً ایک خواب بن کر ہی رہ گیا ہے۔ آرٹیکل 227(2) کا اردو ترجمہ یوں ہے:

'' شق (1) کے احکام کو صرف اس طریقہ کے مطابق نافذ کیا جائے گا، جو اس حصہ [باب نہم] میں منضبط ہے۔''

(3) انسانی حقوق کا براہ راست نفاذ جبکہ شریعت قانون سازی کی محتاج: پاکستانی دستور کے باب اوّل میں انسانی حقوق (آرٹیکل 8 تا 28) کو توعدلیہ براہِ راست نافذ کر سکتی ہے اور جج اپنے فیصلے میں انسانی حقوق کے منافی کسی قانون کا پابند نہیں ہے، لیکن شریعت کو قانون سازی کے ذریعے بالواسطہ ہی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ نے شفعہ اور حدود وغیرہ کے بعض مقدمات میں یہ صراحت بھی کی کہ ''متبادل قانون نہ آنے کی صورت میں شرعی احکامات ہی براہِ راست نافذ العمل ہوں گے۔''

جبکہ باب اوّل میں مندرج حقوق کے حصول کے لیے ہائیکورٹ کے اختیارات سماعت پر کوئی پابندی نہیں ہے:

199 ’ ’ج(2):دستور کے تابع، حصہ دوم کے باب 1 میں تفویض کردہ بنیادی حقوق میں سے کسی حق کے نفاذ کے لیے کسی عدالت عالیہ سے رجوع کرنے کا حق محدود نہیں کیا جائے گا۔“

(4)وفاقی شرعی عدالت سے اہم قوانین کا استثنا اور متبادل قوانین کے لیے پارلیمنٹ سے رجوع: شرعی عدالت کے اختیارات کے بارے میں دستور کے باب 3/الف کی رو سے دستور وغیرہ اہم قوانین کو مستثنیٰ کر کے فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) بنایا گیا، تو اسے غیر محدود طول طویل سماعت کے بعد جن ذیلی قوانین کو کلی یا جزوی طور پر کالعدم قرار دینے کا اختیار دیا گیا، تو پھر بھی اصل قانونی اختیار پارلیمنٹ کو ہی حاصل رہا ہے۔ نتیجتاً دستور کے دونوں باب (3/الف اور باب نہم) عملاً غیر مؤثر ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ دستورِ پاکستان کے باب 3/الف (وفاقی شرعی عدالت) میں قانون کی تعریف کو یوں محدود کر دیا گیا ہے:

203ب (ج)”قانون میں کوئی رسم یا رواج شامل ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو مگر اس میں دستور، مسلم شخصی قانون، کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون یا اس بات کے آغازِ نفاذ سے دس سال کی مدت گزرنے تک کوئی مالی قانون یا محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بینکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔]“20[

جبکہ وفاقی شرعی عدالت کا مقصد 203د(3/الف) میں یوں بیان کیا گیا ہے:

’ ’اگر عدالت کی طرف سے کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم اسلامی احکام کے منافی قرار دے دیا جائے تو... الف) وفاقی فہرست قانون سازی میں شامل کسی امر کے سلسلے میں کسی قانون کی صورت میں صدر یا کسی ایسے

امر کے سلسلے میں مذکورہ فہرست میں سے کسی میں بھی شامل نہ ہو، کسی قانون کی صورت میں گورنر اس قانون میں ترمیم کرنے کے لیے اقدام کرے گا، تاکہ مذکورہ قانون یا حکم کو اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے۔

(3ب): مذکورہ قانون یا حکم اس حد تک جس حد تک اسے بایں طور منافی قرار دے دیا جائے، اس تاریخ سے جب عدالت کا فیصلہ اثر پذیر ہو، مؤثر نہیں رہے گا۔] "21[

-(5) حکمتِ عملی کے اصول (اسلامی تہذیبی قوانین) فی الحال نافذ العمل نہیں: دستور کے باب 2 (حکمتِ عملی کے اصول، آرٹیکل 29 تا 40) کی رو سے اسلامی تہذیب و تمدن سے متعلق بعض اہم قوانین کو حکمتِ عملی کے اصولوں کو پالیسی کے طور پر پیش تو کیا گیا ہے تاہم اسی باب کے آرٹیکل 30 (شق 2) میں یہ شرط عائد کر دی گئی ہے کہ مذکورہ پالیسی کے قوانین قابل نفاذ نہیں ہیں:

" 'کسی فعل یا کسی قانون کے جواز پر اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جائے گا، کہ وہ حکمت عملی کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے اور نہ اس بنا پر مملکت، مملکت کے کسی شعبے یا ہیئت مجاز یا کسی شخص کے خلاف کوئی قانونی کاروائی قابل سماعت ہو گی۔"

-(6) کتاب وسنت سے متضاد ہونا یا اس کے مطابق ہونا؟ پاکستانی دستور کے اسلامی آرٹیکلز میں کسی قانون کے کتاب وسنت سے متضاد ہونے کی بات کہی گئی ہے، جبکہ سعودی عرب کے دستور (نظام الحکم) میں کسی بھی قانون کے لیے لازمی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو یا اس سے ماخوذ ہو اور کتاب وسنت کے منافی ہونے کی بات صرف انتظامی اختیارات کے بارے میں ہے جن کو 'نظام' کا نام دیا جاتا ہے۔] 22[

یہ مقالہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کی شریعہ اکیڈمی کے زیر اہتمام المصادر التی یجب أن یعتمد علیھا القاضی فی إصدار أحکامہ کے موضوع پر تیار کیا گیا ہے، اس

لیے اپنے مرحوم دوست بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے سابق صدر، وفاقی وزارتِ مذہبی امور کے سابق وزیر، اور وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج ڈاکٹر محمود احمد غازی کے افکار کی یاددہانی کی غرض سے ان کی تحریر سے متعلقہ اقتباسات پیش کرتا ہوں:

ڈاکٹر محمود احمد غازی سعودی عرب کے نفاذِ شریعت کے ماڈل کو اسلامی دنیا میں نفاذ شریعت کا کامیاب ترین تجربہ قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں سعودی عرب میں دنیا بھر سے زیادہ امن وامان بھی پایا جاتا ہے، آپ لکھتے ہیں:

’’اس معاملے میں غالباً واحد استثنا برادر ملک سعودی عرب کا ہے جہاں اسلام کے فوجداری قوانین انتہائی مؤثر انداز میں نافذ ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ حدود اور اسلام کے فوجداری قوانین کا جتنا مؤثر نفاذ سعودی عرب میں ہوا ہے، اتنا مؤثر نفاذ دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں ہوا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے حدود اور فوجداری قوانین کے ثمرات وقتاً فوقتاً بیان کیے جاتے رہے ہیں، جن کی وجہ سے اسلام کے قوانین حدود کو مؤثر سمجھا جاتا رہا، اس کی واحد کامیاب مثال ابھی تک برادر ملک سعودی عرب ہی ہے۔ بقیہ ممالک میں حدود کے قوانین کا تجربہ یا تو مختلف اسباب کی بنا پر جزوی طور پر کامیاب رہا یا اس کی کامیابی اور ناکامی کا علمی اعتبار سے جائزہ نہیں لیا گیا۔]‘‘ 23[

اس کے بالمقابل ڈاکٹر غازی پاکستان میں جاری شریعت کی قانون سازی کے تجربے کو فوری سہولت اور وقتی مجبوری کے تحت اختیار کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’یہ تجربہ تو وہ تھا جو پاکستان میں سامنے آیا۔ لیکن اس تجربے کی کمزوریوں یا اس میں غلطیوں کے باوجود کم از کم شخصی قوانین کی حد تک پاکستان میں آیا اور پاکستان کے علاوہ متعدد مسلم ممالک میں عدم تقنین کا تجربہ خاصی کامیابی سے جاری ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شخصی قوانین پر اُردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں کثرت سے مواد دستیاب ہے۔ ان احکام پر گزشتہ دو سو، ڈھائی سو سال سے مسلسل عمل ہو رہا ہے اور کیس لاء پر اتنا مواد اور نظائر (Precedents) تیار ہو گئے ہیں کہ اب کسی نئی صورت حال کا پیش آنا انتہائی شاذ و نادر حالات میں ہوتا ہے جس کے لیے اعلیٰ عدالتیں فیصلہ دے کر ایک نئی نظیر قائم کر دیتی ہیں۔]"24[

سعودی اور خلیجی ممالک کے نظام کی کامیابی اور اثر پذیری کو تسلیم کرتے اور پاکستان میں جاری قانونی طریقہ کار کو فوری سہولت قرار دینے کے بعد ڈاکٹر محمود غازی لکھتے ہیں کہ درحقیقت تدریجاً ایک مثالی اور بہتر نظام کی طرف پیش قدمی بہر طور ضروری ہے:

’’حکومتِ وقت یا قانون ساز ادارہ ایک نقطہ نظر کو لازم اور واجب التعمیل قرار دے اور اس کی بنیاد پر ایک فیصلہ متعین کر دے جس کی روشنی میں قانون کی تدوین کی جائے۔ (صفحہ 173)

جس کی موجودگی کسی بھی اسلامی دستور کے لیے ناگزیر ہے اور کون سی چیز وہ ہے جو محض انتظامی نوعیت کی ہے، جس کی حیثیت وقتی ہو گی۔ (صفحہ 164)

جب ایسا نظامِ تعلیم کام شروع کر دے گا اور ایسے متخصّصین سامنے آنے شروع ہو جائیں گے، اس وقت شاید یہ کہا جا سکے گا کہ قوانین شریعت کو مدوّن اور ضابطہ بند کرنے کی ضرورت ہو ختم ہو گئی ہے لیکن جب تک ایسا نہیں ہوتا اور ملک کے عام قانون داں، وکلاء اور جج صاحبان احکام شریعت سے براہ راست

واقفیت رکھنے والے کثیر تعداد میں دستیاب نہ ہوں، اس وقت تک عدم تقنین یا مختصر تقنین سے نفاذ شریعت کے تقاضے پورا کرنا انتہائی مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔] "25[

سعودی اور پاکستانی نظام قضا کی خصوصیات اور تقابلی جائزہ

بلاشبہ عدالتی نظام کا مقصد فریقین کے مابین متنازعہ حقوق کے بارے میں "حق بحق دار رسید" ہوتا ہے۔ مزید برآں بنیادی حقوق (مذہب، جان، عقل، نسل اور مال وغیرہ) کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ کمزور فریق پر طاقتور فریق کی زیادتی کا ازالہ کیا جائے۔ پاکستانی نظام میں اگرچہ بڑی ذمہ داری عدلیہ پر ڈالی گئی ہے، تاہم سرکاری ملازمین کے ناجائز اختیارات کے ازالہ کے لیے سویڈن سے درآمدہ ایک نظامِ احتساب Ombudsman بھی رائج ہے۔ لیکن قانون کا تصوّر زیادتی کرنے والے کو سزا دے کر صرف تحفظ دینے تک محدود ہے۔

دوسری طرف سعودی عرب کا نظام انصاف اسلامی تاریخ کے تسلسل میں تین متوازی/مربوط اداروں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ عدلیہ کے علاوہ دو اہم ادارے الحسبۃ (هيئة الامر بالمعروف والنهي عن المنكر) اور دیوان المظالم بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ شریعت کا مقصد سزا کے ذریعے صرف دُکھ دینے کا نہیں بلکہ فرد و معاشرہ کو اس طرح سنوارنا ہے کہ وہ نہ صرف ایک دوسرے کے حقوق سلب نہ کریں، بلکہ سزا کے ذریعے معاشرے کو امن وامان کو گہوارا بنا دیا جائے۔ عربی زبان کے لفظ 'تعزیر' کا مفہوم 'معاشرتی برائیوں کا علاج کر کے استحکام پیدا کرنا' ہے۔ اس لیے تادیب (ادب وسلیقہ سکھانا) کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ شریعت صرف قانون نہیں ہے بلکہ حقوق و فرائض دونوں کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب تک فرد اور معاشرے کی تربیت نہ کی جائے، حقوق کا تحفظ اور

امن وامان قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی غرض سے نظام احتساب (ھیئۃ الأمر بالمعروف والنھي عن المنکر) کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں بھلائی کو فروغ ملے اور برائیوں کا خاتمہ ہو۔ یہ ایک خود کار نظام ہے جو شکایت کنندہ کے بغیر بھی جاری وساری رہتا ہے۔ عبادات کے علاوہ اخلاق ومعاملات کے وسیع دائرہ کی اصلاح اسی نظام احتساب کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح دیوانِ مظالم کا بڑا مقصد اختیارات کے حامل افسروں اور عہدیداروں کی کڑی نگرانی ہے۔

جس میں نظام احتساب کے افسران اور عدلیہ کے عہدیداران کے غیر محدود اختیارات کی حامل زیادتیوں کا ازالہ بھی کیا جاتا ہے۔Check & Balance کے دو مستقل اور متوازی نظاموں کے وسیع دائرہ کار کی وجہ سے عدلیہ پر زیادہ دباؤ نہیں رہتا بلکہ عام عدالتوں سے صرف وہ لوگ رجوع کرتے ہیں، جو نظام احتساب اور دیوان المظالم سے انصاف حاصل نہ کر سکیں۔

واضح رہے کہ دیوان المظالم حکومت کی پوری مشینری کے علاوہ Administrative Courts کی صورت ایک مستقل عدالتی نظام بھی رکھتا ہے۔ (اس کا ذکر عدالتی نظام کے ضمن میں آرہا ہے)

فی الحال مقالہ مختصر کرنے کے لیے نظام احتساب اور دیوان المظالم دونوں پر تبصرہ نہیں کیا جارہا بلکہ صرف عام سعودی اور پاکستانی عدالتی نظام کی چند ایک خصوصیات کا جزوی تقابلی مطالعہ ہی پیش کیا جاتا ہے البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ عدلیہ کے فیصلوں کی مؤثر تنفیذ کے لیے بھی تقریباً تین سال قبل سعودی عرب نے المحاکم المختصۃ للتنفیذ کے نام سے مزید نظام قائم کیا ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔ سعودی عرب کے عدالتی نظام اور پاکستان کے عدالتی

نظام کی خصوصیات عربی زبان میں مقالہ کے ضمیمہ کے طور پر منسلک ہیں جبکہ ذیل میں صرف ان کا خلاصہ اُردو زبان میں پیش کیا جاتا ہے:

(1)عدالتی ڈھانچہ: انصاف کے عمل کو آسان اور یقینی بنانے کے لیے سعودی نظام عدل میں مقدمات کی نوعیت کے مطابق عدالتوں کی تقسیم اور درجہ بندی کی گئی ہے جیسا کہ نظام عدل 1428ھ کا آرٹیکل نمبر 9 اور 51 اس کی صراحت کرتا ہے۔ چنانچہ سعودی عرب میں مقدمات کی نوعیت کے اعتبار سے محاکم الدرجۃ الأولی (درجہ اوّل کی عدالتیں) پانچ طرح کی ہیں:

(ا) المحاکم العامۃ (جنرل عدالتیں)

(ب) المحاکم الجزائیۃ (کریمنل کورٹس)

(ج) محاکم الأحوال الشخصیۃ (پرسنل لاز کورٹس)

(د) المحاکم التجاریۃ (بزنس کورٹس)

(ھ) المحاکم العمالیۃ (لیبر کورٹس)

ہر طرح کی عدالتوں کی اپیل کے لیے محاکم الاستیناف (ہائی کورٹس) اور المحکمۃ العلیا (سپریم کورٹس) بھی موجود ہیں۔ جن کو مجلس القضاء الأعلیٰ (سپریم جوڈیشل کونسل) کنٹرول کرتی ہیں جبکہ نظام دیوان المظالم کی بھی ادنیٰ سے اعلیٰ سب عدالتوں پر پوری نگرانی ہوتی ہے۔ دیوان المظالم کی عدالتوں کو المحاکم الإداریۃ (Administrative Courts) کہتے ہیں۔ جن کی اُسی طرح ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ بندی ہے یعنی المحاکم الإداریۃ پر محاکم الاستیناف الإداریۃ (Administrative High Courts) اور المحکمۃ الإداریۃ العُلیا (Administrative Supreme Courts) موجود ہیں۔

ان کو مجلس القضاء الإداري (Supreme Administrative Judicial Council) کنٹرول کرتی ہے۔

مزید برآں سعودی عرب میں تقریباً پانچ سال قبل 13/ شعبان 1433ھ کو عدالتی فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے تیسری قسم کی تنفیذی عدالتوں کا ایک معاون نظام بھی قائم کیا گیا ہے۔ جسے دو سال بعد 22/ رمضان 1435ھ (20/ جولائی 2014ء) کو المحاکم المتخصّصۃ للتنفیذ Special Enforcement Courts کے نام سے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے تاکہ فیصلوں پر فوری اور مؤثر عمل درآمد ہو سکے۔

(2) سعودی نظام عدل جدید ترین خطوط پر استوار ہے، اور پوری دنیا کے ایسے جدید ترین تکنیکی وسائل اور سہولیات سے استفادہ کرتا ہے جو شریعتِ مطہرہ کے مخالف نہ ہوں۔

(3) سعودی نظام عدل فریقین (سعودی شہری اور غیر ملکی باشندوں) کو اپنا ہر مسئلہ پیش کرنے یا فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کرنے کا مکمل حق دیتا ہے، چاہے براہ راست فریقین اپنا مقدمہ پیش کریں یا وکیل کی مدد حاصل کریں۔ جیسا کہ نظام عدل کا آرٹیکل 47 یہ قرار دیتا ہے کہ

"حق التقاضي مكفول بالتساوي للمواطنين والمُقيمين في المملكة، ويُبين النظام الإجراءات اللازمة لذلك"۔

" "مطالبہ اور استحقاق پیش کرنے کا حق سعودی عرب میں تمام شہریوں اور تارکین وطن کو برابر حاصل ہے جس کا طریقہ کار متعلقہ نظام میں وضاحت سے پیش کر دیا گیا ہے۔"

(4) سعودی نظام عدل ایسے انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت بھی دیتا ہے جو قرآن وسنت کے مخالف نہ ہوں۔ جیسا کہ آرٹیکل نمبر 26 قرار دیتا ہے کہ

"تحمي الدولة حقوق الإنسان، وفق الشريعة الإسلامية"۔

" "حکومت شریعت کے مطابق تمام انسانی حقوق کے تحفظ کی ضامن ہے۔"

(5)عدالتی طریقہ کار: سعودی نظام عدل میں حقوق کی حفاظت اور زیادتی کے ازالہ کے لیے فیصلے کا میزان اور اس کے طریق کار (Procedural System) کے لیے حتمی معیار کتاب وسنت ہی ہیں، تمام فیصلہ جات اور نظاموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہوں جیسا کہ سعودی دستور کا آرٹیکل نمبر 1 اور نمبر 7 اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔

Fنظام عدل پر حکام کا اثر ورسوخ بھی انہی اختیارات تک محدود اور مشروط ہے، جو کتاب وسنت نے اُنھیں دیے ہیں اور وہ نفاذِ شریعت، نظامات، عوام الناس کے مصالح اور ملک کے تحفظ ودفاع کے نگران وذمہ دار ہیں جیسا کہ آرٹیکل نمبر 55 میں اس کو واضح کیا گیا ہے۔ اور آرٹیکل نمبر 50 یہ تقاضا کرتا ہے کہ بادشاہ اور اس کے مقرر کردہ حکام شرعی اور عدالتی نظام کے نفاذ کے ذمہ دار ہوں گے۔

پاکستانی جوڈیشل سسٹم (نظامِ قضا) کے منتخب حصے

(1)پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے جج حضرات کی نگرانی کے لیے دستور کے آرٹیکل نمبر 209 میں سپریم جوڈیشل کونسل کا ذکر ہے:

' 'پاکستان کی ایک اعلیٰ عدالتی کونسل ہوگی، جس کا حوالہ اس باب میں کونسل کے طور پر دیا گیا ہے۔ جو چیف جسٹس آف پاکستان، سپریم کورٹ کے دو سینئر ترین ججز اور ہائیکورٹس کے دو سینئر ترین ججز پر مشتمل ہوگی۔"

": (8)209 کونسل ایک ضابطہ اخلاق جاری کرے گی جس کو عدالتِ عظمی اور عدالت ہائے عالیہ کے جج ملحوظ رکھیں گے۔"

(2)پاکستانی دستور میں ماتحت عدالتوں کے فیصلوں پر نگرانی/اپیل کی سہولت مہیا کی گئی ہے اور اعلیٰ عدالتوں کے لیے ایک اہم اختیار Writ System کا بھی ہے جن سے گزر کر

آخری فیصلہ سپریم کورٹ (عدالتِ عظمیٰ) کا ہوگا۔ جیسا کہ سپریم کورٹ کو دستور کا آرٹیکل 185 یہ اختیار دیتا ہے کہ

''اس آرٹیکل کے تابع عدالتِ عظمیٰ کو کسی عدالتِ عالیہ کے صادر کردہ فیصلوں، ڈگریوں، حتمی احکام یا سزاؤں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرنے اور ان پر فیصلہ صادر کرنے کا اختیار ہوگا۔"

(3) اور ہائی کورٹ کو دستور کا آرٹیکل 201 اور 203 یہ اختیار دیتا ہے کہ

"201: آرٹیکل 189 کے تابع کسی عدالت عالیہ کا کوئی فیصلہ، جس حد تک کہ اس میں کسی امر قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو یا وہ کسی اصول قانون پر مبنی ہو یا اس کی وضاحت کرتا ہو، ان تمام عدالتوں کے لیے واجب التعمیل ہوگا جو اس کے ماتحت ہوں۔"

"203: ہر عدالت عالیہ اپنی ماتحت عدالتوں کی نگرانی اور انضباط کرے گی۔"

(4) پاکستانی دستور میں مختلف عدالتوں کے جج حضرات کی بنیادی اہلیت یہ ہے:

آرٹیکل 177(1): سپریم کورٹ کے چیف اور جج کو صدرِ پاکستان یوں مقرر کرے گا کہ:

(2الف) کم از کم پانچ سال تک یا مختلف اوقات میں اتنی مدت تک جو مجموعی طور پر پانچ سال سے کم نہ ہو، کسی عدالتِ عالیہ کا جج رہا ہو (ب) کم از کم پندرہ سال تک یا مختلف اوقات میں اتنی مدت تک جو مجموعی طور پر 15 سال سے کم نہ ہو، کسی عدالت عالیہ کا ایڈووکیٹ رہا ہو۔"

آرٹیکل 193: ہائی کورٹ کے جج کے لیے پاکستان کا شہری اور 45 سال عمر ہونا ضروری ہے۔

(الف) 10 سال تک ہائی کورٹ کا ایڈوکیٹ رہا ہو۔ یا

(ب) 10 سال سول سروس کی ہو، جس میں تین سال ڈسٹرکٹ جج بھی رہا ہو۔ یا

(ج)دس برس تک پاکستان میں عدلیہ کا عہدیدار رہا ہو۔
جبکہ وفاقی شرعی عدالت کے جج کی اہلیت دستور کے آرٹیکل 203ج میں مذکور ہے:
یہ عدالت چیف جسٹس سمیت 8 ججوں پر مشتمل ہوگی۔(3الف)"ججوں میں سے زیادہ سے زیادہ چار ایسے اشخاص ہوں گے جن میں ہر ایک کسی عدالت عالیہ کا جج ہو یا رہ چکا ہو یا بننے کا اہل ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ تین علماء ہوں گے جو اسلامی قانون، تحقیق یا تعلیم میں کم از کم پندرہ سالوں کا تجربہ رکھتے ہوں۔]"26[
گویا پاکستانی قانون میں جج کے لیے شرعی علوم کی مہارت بلکہ معرفت ہونا بھی ضروری نہیں۔ اگر ہے بھی تو وہ شرعی عدالت تک محدود ہے۔
(5)پاکستانی نظام قضا میں سابقہ عدالتی نظائر کی قانونی حیثیت یہ ہے:
آرٹیکل نمبر 189:"عدالتِ عظمی کا کوئی فیصلہ، جس حد تک کہ اس میں کسی امر قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو، یا وہ کسی اصول قانون پر مبنی ہو یا اس کی وضاحت کرتا ہو، پاکستان میں تمام دوسری عدالتوں کے لیے واجب التعمیل ہوگا۔"
اور ہائیکورٹ کی ماتحت عدالتوں پر نگرانی اور اس کے فیصلوں کی پابندی پر دستور کا آرٹیکل 201 تا 203 صراحت کرتے ہیں، جیسا کہ ان کا متن اوپر گزرا ہے۔
سعودی اور پاکستانی نظام قضا(عدالتی نظام)کا تقابلی تجزیہ
(1)کتاب وسنت کی بالادستی یا قانون کی: سعودی عرب میں جج پر صرف کتاب وسنت کی بالادستی[27] ہے، جبکہ پاکستان میں وہ قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہے[28]۔ یعنی سعودی عرب میں عدلیہ کا مقصد انسانی حقوق کے سلسلے میں انصاف کا حصول اور زیادتی کا ازالہ ہوتا ہے، جبکہ پاکستان میں قانون کا نفاذ برتر

حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ خواہ انصاف ملے یا نہ ملے کیونکہ پاکستان میں قانون وضع کیے بغیر کوئی شے نافذ العمل نہیں ہوتی۔

(2) حق اور سچ کی تلاش یا خصومانہ نظام: سعودی عرب کا عدالتی نظام، مزاج کے لحاظ سے حق اور سچ کی تلاش ہے جس کی پوری ذمہ داری ججوں پر عائد ہوتی ہے جبکہ پاکستان کا عدالتی نظام خصومانہ Adversary System ہے۔ لہٰذا دونوں پارٹیوں کے بھرپور مقابلے کے درمیان جج کا کردار صرف ریفری کا ہوتا ہے۔ اصل مقابلہ فریقین کے بجائے وکیلوں کا ہوتا ہے جو کبھی نہیں ہارتے کیونکہ ان کو ہر صورت میں بڑی سے بڑی فیس مل جاتی ہے۔

(1) ایڈورسری سسٹم کا قانون طریق کار کے ضمن میں آتا ہے، جس کا علم صرف ماہرین قانون کو ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں وکیل کے سوا کسی کی بات سنی نہیں جاتی اور قانون کی تشریح بھی وکیل کی ہی معتبر ہے جو اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی نشاندہی کے ذریعے اپنی تشریح کو قانونی شکل دیتا ہے۔ مقدمہ کی طوالت میں بار اور بینچ کی باہمی مفاہمت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے عدالتیں وکلا کو پورا موقع دیتی ہیں کہ وہ کب متعلقہ قانونی تیاری مکمل کر کے بحث کریں۔

(2) سعودی عرب میں گواہ کا معیاری ہونا ضروری ہے، جس کا ذریعہ تزکیۃ الشھود [29] ہے، جبکہ پاکستان میں گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ سزا یافتہ نہ ہو۔ گواہی کی سچائی اور جھوٹ کا فیصلہ مخالف وکیل کی جرح سے تضاد کی صورت میں مدعا علیہ اور ملزم کے حق میں جاتا ہے۔ یہ سارا کام وکیل کا ہی ہے۔ مقولہ مشہور ہے: "ملزم قانون کا لاڈلا بیٹا ہے"۔

(3) اعلیٰ عدالتوں کے جج حضرات اور معروف قانون دان تو پاکستان کے Adversary System سے واقف ہیں لیکن انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کی

شریعہ اکیڈمی نے دسمبر 2015ء میں سعودی عدالتی نظام کے جائزے کے لیے جوڈیشل مجسٹریٹ، سول ججز اور ایڈیشنل سیشن ججز پر مشتمل 24 رکنی وفد بھیجا تھا جس کی رپورٹ شریعہ اکیڈمی نے حال ہی میں شایع کی ہے۔ ان جج حضرات میں سے ایک جوڈیشل مجسٹریٹ ذیشان منظور کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

The Judicial System in KSA as I understood is inquisitorial in nature.Judges take Pains to search for truth rather acting as referees as happens in an adversarial systems. [30]

(3)جج کی اہلیت شرعی مہارت یا قوتِ فیصلہ: حق وسچ کی تلاش جج کا کام ہے، اس لیے سعودی عرب میں کتاب وسنت کی مہارت کے حامل حضرات ہی جج بنائے جاتے ہیں جو کلیات الشریعۃ کی اعلیٰ ڈگریوں کے علاوہ سپریم جوڈیشل کونسل کے منعقدہ مقابلہ کے تقریری اور تحریری امتحان سے بھی گزرتے ہیں اور پھر ان کو ایک سال سے لے کر تین سال تک کی تربیت[31] بھی دی جاتی ہے۔ جبکہ پاکستان میں جج بننے کے لیے ایل ایل بی تو شرط ہے لیکن کتاب وسنت کی مہارت کی کوئی پابندی نہیں، بلکہ ملکی قانون سے واقفیت اور عدالتوں میں اس کا تجربہ [32]اہمیت رکھتا ہے۔

(4)دونوں ممالک میں سابقہ نظائر کی قانونی حیثیت: جج کی صلاحیت لازماً کتاب وسنت کی مہارت ہے حتی کہ پیش آمدہ مقدمہ میں وہ عدالتی نظائر سے استفادہ تو کرتا ہے لیکن ان کا پابند نہیں ہوتا[33]، یعنی موقع پر اجتہاد کرتا ہے۔ جبکہ پاکستانی آئین اور قانون کی تشریح نہ صرف قانون دان کرتے ہیں، بلکہ ادنیٰ عدالتیں، اعلیٰ عدالتوں کے نظائر کی پابند[34] ہوتی ہیں۔

(5)فیصلہ کا دورانیہ اور سماعتوں کی تعداد: دورانیہ کے بارے میں سعودی عدالتوں کا معمول یہ ہے کہ 3ماہ کے اندر اندر زیادہ سے زیادہ پانچ سماعتوں میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے جب کہ اپلیٹ کورٹ میں بھی ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ نہیں لگتا۔ جیسا کہ متذکرۃ الصدر وفد کے ایک رکن جج کا تبصرہ یوں ہے:

That each civil case is decided in two to five sessions and that if the complainant or the defendant is not satisfied with the decision of the court, he or she may appeal to the Appellate Court within 30 days ...

Whereas a criminal case if appealed to the Appellate Court for Criminal Case [35]may be decided only in one month.

We were told by the Head of the Criminal Court that the Court of Appeal will decide it in the very first hearing, thus, the total Time for the whole trial in both courts would be less than three months. This makes the justice system one of the fastest and the best in the world-.[36]

چوں کہ سعودی عرب میں نظام احتساب کے علاوہ تین طرح کے مستقل عدالتی نظام بھی چل رہے ہیں اور ہر نظام میں شہروں اور ان کے حلقوں کے حساب سے ججوں کی ایک بہت بڑی تعداد کام کرتی ہے اس لیے ایک جج کے پاس یومیہ 5 تا 8 کیس ہوتے ہیں جبکہ پاکستان میں Adversary System کی وجہ سے طول طویل Litigation ہوتی ہے اس لیے ہر جج کے پاس یومیہ 80 تا 100 کیس لگتے ہیں جن میں وکلا کی مصروفیت کی بنا پر اکثر کی سماعت ہی نہیں ہو پاتی۔ مقولہ مشہور ہے کہ "انصاف کی تاخیر بھی ظلم ہے!" ایسا ہی ایک اور مقولہ ہے کہ "انصاف کا عملاً وجود کافی نہیں بلکہ انصاف ہوتا نظر آنا چاہیے۔" اسی طرح سعودی عرب میں

عدالتی فیصلہ کی زیادہ سے زیادہ پانچ پیشیاں ہوتی ہیں، جبکہ پاکستان میں ان کی کوئی حد مقرر نہیں اور ادنیٰ عدالت سے لے کر اعلیٰ ترین عدالت کے فیصلوں تک بسا اوقات تین نسلیں بھی گزر جاتی ہیں۔ اسی لیے پاکستان میں بااثر پارٹیاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر فیصلہ کرنے کو ترجیح دیتی ہیں جس کی بنا پر کمزور یا تو معافی مانگنے پر مجبور ہوتا ہے یا برائے نام پونجی کا لولی پاپ اس کے ہاتھ تھما کر اسے "صلح" کا نام دیا جاتا ہے۔ ورنہ کمزور ہمیشہ "جرم کی سزا ہے مرگِ مفاجات" کا شکار رہتا ہے۔

عام طور پر اعلیٰ عدالتوں کے ریٹائرڈ جج حضرات تو خاموش رہتے ہیں لیکن ہائی کورٹ سے ریٹائرڈ ہونے والے وہ جج جو اب سپریم کورٹ میں وکالت کرتے ہیں، نے قتل کے بعض کیسوں کے بارے میں یوں تبصرہ کیا کہ یہاں سب سے بڑی مصیبت "وکالت" ہے۔

اس بارے میں چند نکات ملاحظہ ہوں:

(الف) پاکستان میں بینچ اور بار دونوں بظاہر قانونی نکتوں کی تلاش اور ان کے فیصلوں کے لیے مقدمات کی طوالت کا بہانہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جج حضرات اور وکلا کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا کیوں کہ ججوں کی مراعات اور وکلا کی بھاری بھرکم فیسیں انھیں مل جاتی ہیں لیکن پارٹیاں مسلسل Litigation کے اضافہ میں الجھتی چلی جاتی ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ کمزور اور مظلوم ظلم سہنے اور خون کے گھونٹ پینے پر مجبور ہوتا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

(ب) پاکستانی قانون میں اپیل در اپیل میں بھی سالہا سال بیت جاتے ہیں، جبکہ سعودی نظام عدل میں بھی اپیل کا تصور تو موجود ہے لیکن فریقین کی

بجائے قضاۃ کے بارے میں نگرانی کا نظام بڑا سخت ہے تاہم اپلیٹ کورٹ میں فیصلہ کی مدت بھی ایک ماہ سے زیادہ نہیں لگتی۔

(ج)عدالتی فیصلے کے نفاذ کے لیے پہلے سعودی عرب میں جنرل کورٹس کے تحت تنفیذی عدالتیں تقریباً پانچ سال قبل 13/شعبان 1433ھ کو قائم کی گئی تھیں، پھر 22/رمضان 1435ھ (20/جولائی 2014ء)

کو ان عدالتوں کو المحاکم المتخصصۃ للتنفیذ Special Enforcement Courts کے نام سے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ جبکہ پاکستان میں فیصلوں کا نفاذ عدالت کی بجائے انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔

(6) سعودی عدلیہ پاکستانی عدلیہ کی نسبت زیادہ آزاد: سعودی اور پاکستانی نظام عدل میں یہ بھی فرق ہے کہ پاکستان میں جج حضرات کے انتخاب اور تعین میں انتظامیہ کا زیادہ دخل ہے جبکہ سعودی عرب میں جج حضرات کے انتخاب میں سپریم جوڈیشل کونسل کا زیادہ دخل ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان میں عدالتوں کے فیصلے کا نفاذ انتظامیہ کی ذمہ داری ہے، جبکہ سعودی عرب میں انفورسمنٹ عدالتوں کے قیام کی بنا پر، عدالتی فیصلوں کی فوری اور مؤثر تنفیذ بھی عدالتی دائرہ عمل کا ہی حصہ ہے۔ اسی طرح پاکستانی جج حضرات، پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہوتے ہیں، جبکہ سعودی عرب کے جج حضرات شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہیں۔ الغرض ان تین جہات سے سعودی عدلیہ پاکستانی عدلیہ کی نسبت انتظامیہ کے اثر ورسوخ سے زیادہ آزاد ہے۔

نتائج

پاکستان اور سعودی عرب دونوں کے نظامہائے عدل وقانون کے تقابل وتجزیے کے بعد جب ہم مذکورہ بالا نتائج پر پہنچ جاتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کامیاب منزل تک پہنچنے کا راستہ اور طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ اس کے جواب میں بھی میں ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم کی رائے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے لیے تعلیمی اور تربیتی ادارے اور اکیڈمیاں قائم کی جائیں جو ایسے نصابات کی حامل ہوں جن میں خیر کے دونوں پہلوؤں کا امتزاج ہو۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

''جب ان دونوں قوانین کے نصابات پر از سر نو غور کر لیا جائے اور ایک ایسا نظام وضع کیا جائے کہ قانون کی ابتدائی تعلیم ایک حد تک مشترک ہو جس میں فقہ اسلامی میں تخصص کرنے والے حضرات بھی شریک ہوں اور رائج الوقت قوانین میں تخصیص کرنے والے بھی شریک ہوں۔ پھر آگے چل کر جب قانون کے مختلف شعبوں میں اختصاص کا مرحلہ آئے تو فقہ اور اس کے شعبوں میں اختصاص کرنے والے مختلف اداروں میں چلے جائیں اور جدید قوانین اور اس کے شعبوں میں اختصاص کرنے والے مختلف اداروں میں چلے جائیں۔ اس کے باوجود یہ ضروری ہوگا کہ جو لوگ فقہ اور اس کے شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں، وہ اپنے متعلقہ موضوع سے ملتے جلتے شعبہ ہائے قوانین میں بھی ضروری حد تک واقفیت حاصل کریں۔ اسی طرح جو لوگ جدید قوانین کے مختلف شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں، وہ اپنے متعلقہ موضوع سے ملتے جلتے شعبہ ہائے قوانین میں بھی ضروری حد تک واقفیت حاصل کریں۔ اسی طرح جو لوگ جدید قوانین کے مختلف شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں مثلاً جورس پروڈنس یا بین الاقوامی قانون یا دستوری قانون میں وہ اپنے تخصصات سے متعلق فقہی شعبوں میں کسی حد تک واقفیت پیدا کریں۔] "37[

اس نوعیت کے تعلیمی ادارے قائم کرنے سے ہی معاملہ حل نہیں ہوگا، بلکہ اس کو پھر پاکستان میں مؤثر طور پر نافذ کرنے کے لیے ایک بھرپور تحریک کی بھی ضرورت ہے، جیسا کہ ڈاکٹر غازی مزید لکھتے ہیں:

’’اس کے لیے ایک ہمہ گیر قانونی اصلاح اور قانونی تعلیم کی ضرورت ہے جو ایک تحریک کے طور پر پورے پاکستان میں عام کی جائے۔ پاکستان میں فقہ کی تعلیم کے نصاب پر از سر نو اور بنیادی طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قانون کی تعلیم کے وہ تمام ادارے جو پاکستان میں قانون کی تعلیم دے رہے ہیں، ان کے نصابات پر از سر نو غور کیے جانے کی ضرورت ہے۔] 38[

حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں اس مقصد کے لیے نہ صرف جوڈیشل اکیڈمیاں قائم کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ایسی عالمی جوڈیشل ٹریننگ انسٹیٹیوٹس بننے چاہییں جن میں عالم اسلام کے جج حضرات اکٹھے ٹریننگ حاصل کریں تاکہ وہ اپنے اپنے ملکوں کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے استفادہ اور افادہ کی فضا پیدا کریں۔

[2]عرنوس، تاريخ القضاء في الاسلام مصر: ص2

[3]حاشيه ابن عابدين: 352/5، مواهب الجليل للحطاب 86/6

[4]ابن ابي الدم، أدب القضاء تحقيق محي هلال السرحان: ج126/1، 125

[5]مقدمة "نظام القضاء في الشريعة الإسلامية" للدكتور عبد الكريم زيدان، بغداد (العراق)

[6]قانون المرافعات المدنية والتجارية: ص31

[7]وكي پيڈيا، بوابة القانون

[8]دروس في أصول القانون د/جميل الشرقاوي: 13/1 دار النهضة العربية، القاهرة 1979م

[9]المدخل لدراسة القانون لـد/أحمد سلامة 15/1، مكتبة النهضة، مصر. الإسلام والدستور: تأليف توفيق بن عبد العزيز السديري: 15/1، وزارة الشؤن الإسلامية والأوقاف

[10]موضوع "أكبر موقع عربي بالعالم

[11]فتح القدير: 480/1

[12] جامع الترمذي: رقم 2906، باب ماجاء في فضل القرآن

[13] صحيح البخاري: باب إقامة الحدود: رقم 6787

[14] قرار داد مقاصد بنام سپریم کورٹ آف پاکستان کا تجزیہ' منجانب سردار شیر عالم خان (ایڈووکیٹ)، مترجم چوھدری محمد یوسف (ایڈووکیٹ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، اشاعت اول، 1994ء

[15] PLD 1992 Supreme Court 595, اور 'قرار داد مقاصد بنام سپریم کورٹ آف پاکستان کا تجزیہ' منجانب سردار شیر عالم خان (ایڈووکیٹ)، مترجم چوھدری محمد یوسف (ایڈووکیٹ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، 1994ء

[16] جنھیں بعد میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) میں ڈھال دیا گیا۔ اگرچہ اس میں سے اہم قوانین بشمول آئین، پرسنل لاز، مالیاتی قوانین (26 جون 90ء تک) اور عدالتوں وغیرہ کے طریقہ کار سے متعلق ضابطہ کے قوانین کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ چونکہ اس غرض سے شرعی عدالت کے دائرہ کار کے بارے میں قانون کی تعریف (دستور کے باب 3/الف میں) یوں ہے:

203 ب (ج) "قانون میں کوئی رسم یا رواج شامل ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو مگر اس میں دستور، مسلم شخصی قانون، کسی عدالت یا ٹربیونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون یا اس بات کے آغازِ نفاذ سے دس سال کی مدت گزرنے تک کوئی مالی قانون یا محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔"

[17] سپریم کورٹ آف پاکستان، (شریعت اپلیٹ بنچ) نے 23 دسمبر 1999ء کو اس فیصلہ کی توثیق کر دی۔ جسے حکومت کے لیے نافذ کرنے کی آخری میعاد 30 جون 2002ء تھی۔ لیکن حکومت کی کوششوں سے شریعت اپلیٹ بنچ نے یہ فیصلہ

ریمانڈ کر کے وفاقی شرعی عدالت کو واپس بھیج دیا۔ اسلامی بینکاری کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی کا مضمون روزنامہ جنگ: 9 مارچ 2017ء

[18] سعودی دستور (نظام الحکم) کے آرٹیکل نمبر 1، اور آرٹیکل نمبر 7 کے علاوہ مذکورہ بالا تمام آرٹیکل کا خلاصہ یہ ہے کہ سعودی نظام الحکم (دستور) کی رو سے خیر و شر اور حق و باطل کے پہلو سے شریعت کی مطابقت حکام و عوام کے لیے لازمی ہو گی، جبکہ انتظامی مصلحتوں کے بارے میں شریعت کے منافی ہونے کی شرط عائد ہے۔

[19] دستور کا آرٹیکل 2/اے: (یعنی قرارداد مقاصد میں بیان کردہ اصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ بحسبہٖ مؤثر ہوں گے)

اور 'مقدمہ حاکم خاں بنام حکومتِ پاکستان وغیرہ' میں سپریم کورٹ فل بنچ کا فیصلہ PLD 1992, Supreme Court 595

[20] مالیاتی قوانین کے بارے میں دس سال کی مدت پوری ہونے کے بعد اب وفاقی شرعی عدالت کو مالی قوانین کے بارے میں اختیار سماعت حاصل ہو چکا ہے۔

[21] صدارتی حکم نمبر 1، 1984ء... سیکشن: 2(اے) مجریہ 14/فروری 1984ء

[22] سعودی دستور (نظام الحکم): آرٹیکل نمبر 1، 7 وغیرہ بالخصوص آرٹیکل نمبر 48

[23] علم اصول فقہ، ایک تعارف': ج 3/ص 168

[24] ایضاً: صفحہ 175

[25] ایضاً: صفحہ 175

[26] دستور (اٹھارویں ترمیم) ایکٹ 2010 (نمبر 10 بابت 2010) کی دفعہ 74 کی رو سے بعض الفاظ تبدیل کیے گئے۔

[27] سعودی دستور (نظام الحکم) کا آرٹیکل نمبر 46 اور 7... نظام القضاء کا آرٹیکل نمبر 1

[28] مقدمہ 'حاکم خان بنام حکومت پاکستان وغیرہ'، پی ایل ڈی 1992، ایس سی 595، فیصلہ فل بنچ سربراہی: جسٹس نسیم حسن شاہ

[29]سعودی اور پاکستانی نظام میں گواہی سے متعلقہ قوانین

[30]VisitofPakistaniJudicialOfficers,ShariahAcademy,IIUI,2016, p.28

[31]سعودی عرب کا نظام القضا 1428ھ، آرٹیکل 44

[32]پاکستانی دستور میں جج کی اہلیت کے لیے دیکھیں: آرٹیکل نمبر 193

[33]خصائص النظام السعودی میں المادة الخامسة اور پاکستانی ججز کے وزٹ میں شریعہ اکادمی کی رپورٹ: ص 7 "وأنه يحق للقاضي أن يلغي أي قانون أو حكم من أحكام القانون إن وجد مخالفا للقرآن الكريم أو للسنة النبوية".

[34]پاکستانی دستور کا آرٹیکل نمبر 189

[35]VisitofPakistaniJudicialOfficers,ShariahAcademy,IIUI,2016, p.6,7

[36]Ibid,p.17

'[37]علم اُصول فقہ، ایک تعارف': ص 175

[38]ایضاً: صفحہ 174

(5) اِسلام اور ریلیاں

الشیخ حافظ محمد سفیان سیف حفظہ اللہ

اِسلام ایک طاقتور دین تھا، کمزوروں نے اسے ناتواں کر دیا۔ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب تھا، تنگ نظروں نے اسے سطحی بنا دیا۔ اسلام ایک عالمی نور تھا، گمراہوں نے اسے مغرب کی تاریکیوں میں ڈبا دیا۔ اسلام امن کا گہوارا تھا، بیمار ذہنوں نے اسے دہشت گردی سے جوڑ دیا۔ اسلام زمانے کا اِمام تھا، پست قدموں نے اسے صفِ آخر میں دھکیل دیا۔ اسلام دینِ کامل تھا، نفس کے غلاموں نے اسے ناقص قرار دیدیا۔ اسلام حسنِ خُلق کا پیامبر تھا، بداَخلاقوں نے اس کے حسن کو گہنا دیا۔ اسلام اَعلیٰ اَقدار و تہذیب کا علمبردار تھا، یورپی فکر کے حاملوں نے اسے پراگندہ کر دیا۔ اسلام خلوص کا پیکر تھا، منافقوں نے اس کے دامن کو تار تار کر دیا۔ اسلام اپنی وسعتوں میں بحرِ بے کراں تھا، کج فہموں نے اسے قطرۂ آب سمجھ لیا۔ اسلام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنوں کے لیے نیّر تاباں تھا، لوگوں نے اسے ظلمتِ شب کا مسکن بنا دیا۔ اسلام عدل و انصاف کا سرچشمہ تھا، ظالموں نے اس پر ظلم و عدوان کی باڑھ لگا دی۔ اسلام ہم رنگِ زمانہ تھا، تاریک خیالوں سے وقت سے متصادم کر دیا۔ اسلام معلّمِ کائنات تھا، جاہلوں نے اس کے گرد جہالت کے گڑھے کھود دیئے۔

اسلام شدتِ انتقام سے شمشیر زن ہو کر کفر کی گردن زدنی کا نام تھا، شورش پسندوں نے اسے رسمی نعروں کا شور بنا دیا۔ اسلام جذبات کی حدّت سے میدانِ جہاد کو گرمانے کا نام تھا، عجلت پسندوں نے اسے سڑکوں کا رساؤ بنا دیا۔ اسلام وقت کے سینے کی دھڑکن تھا، مردہ دلوں نے اسے زمانے کی موت ٹھہرا دیا۔

جی ہاں! اسلام خلدِ بریں کی حسین شاہراہ تھا، وقت کے شدادوں نے اس شاہراہ پر اپنے لیے سیم و تھور کا بازار لگوا دیا۔

اسلام ہر اعتبار سے مسلمانوں کا راہنما ہے، کیا خوشی کیا غم، کیا جذبات کیا فہم، کیا انتقام اور کیا کرم۔ معاملہ نیا نہیں ہے، رسمِ ظلم و ستم بھی نئی نہیں ہے، اہل کفر کی طرف سے اہل اسلام کے مذہبی جذبات سے چھیڑ چھاڑ بھی وہی دیرینہ ہے، تو پھر اندازِ جوابِ آں غزل نیا کیوں ہے؟

توہینِ رسالت ﷺ کا معاملہ آج کا نہیں ہے، اس کی تاریخ کوہِ صفا سے شروع ہوتی ہے۔

توہینِ رسالت ﷺ کا سب سے پہلا گستاخ ابولہب تھا۔ اسلام کا قانون ہے کہ جو جس عمل کی ابتدا کرے گا۔ وہ عمل جاری رہنے تک اس کی سزا یا جزا لے گا۔

ابولہب ملعون نے گستاخیٔ رسول ﷺ کی ابتدا کی، لہٰذا آج تک جو بھی اس کا مرتکب ہوا ہے یا ہو گا' وہ اولادِ ابولہب میں سے شمار ہو گا۔

آج کا مسلمان بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ جن کے خلاف احتجاج کر رہا ہے، طریقۂ احتجاج بھی انہی کا اختیار کیا ہوا ہے۔

ہمیشہ یاد رکھو! جو اوروں کے چراغوں سے تیل لیتے ہیں، ہمیشہ اندھیرے میں قید رہتے ہیں۔

کسی کے خلاف ریلی نکالنا کونسے اسلام لادیا ہوا سبق ہے؟ قرآن کی کس آیت یا نبی کائنات ﷺ کی کس حدیث سے ثابت ہے؟ یا پھر خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کس کا طرزِ عمل ہے؟

گستاخیاں تو تب بھی ہوتی تھیں، جب خود امام الانبیاء ﷺ (فداہ ابی و امی) کائنات میں رونق افروز ہوا کرتے تھے۔ تب اس گستاخی کا جواب کیسے دیا جاتا تھا؟

ہمارے مطالعہ کے مطابق گستاخوں کا زمانہ تین اَدوار پر مشتمل ہے۔ اور تینوں اَدوار کا اندازِ انتقام بھی مختلف ہے، مگر ان میں کہیں بھی ریلی یا جلوس کا عمل دخل نظر نہیں آتا۔

مکہ کا تیرہ سالہ دورِ تبلیغ، جو کہ پورے کا پورا بد سے بدترین گستاخوں اور گستاخیوں سے عبارت ہے۔ "تبا لک یا محمد" کا دل خراش جملہ۔ ساحر، مجنون، شاعر، مذمم اور وضاعِ دین جیسے کئی سماع خراش آوازے۔ ابو جہل کا بحالتِ سجدہ جانور کی او جھڑی، ساقیِ کوثر ﷺ کے سرِ اقدس پر ڈالنا۔ گلے میں رسی ڈال کر کھینچنا۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں کو انسانیت سوز سزاؤں میں مبتلا کرنا۔

شعبِ ابی طالب کی قید با مشقت، جہاں آپ ﷺ کا درخت کے پتے اور چمڑے چبانا۔ طائف کی خوبصورت وادیوں میں اوباشوں کے ہاتھوں لہولہان ہونا۔ اور پھر قتل کی سازش کے نتیجہ میں آخر اس آبائی وطن کو خیر باد کہہ دینا۔

کیا یہ تمام باتیں گستاخیاں نہیں تھیں؟ اگر تھیں اور یقیناً تھیں تو ان تیرہ سالہ دورِ مکی میں نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ کتنی ریلیاں نکالیں؟ کتنے احتجاجی جلوسوں کی قیادت کی؟ کتنی ہڑتالیں کیں؟ کتنی سڑکیں بلاک ہوئیں؟ کتنے پتلے نذرِ آتش کیے گئے؟

ان سب میں سے کوئی ایک بھی احتجاجی راستہ اختیار نہیں کیا گیا، اس لیے کہ یہ احتجاج اسلام کے مزاج کے مطابق ہے ہی نہیں۔ اسلام کا مزاج ایسے لوگوں سے اپنے وقت پر انتقام لینے کا ہے۔ چاہے کچھ تاخیر ہی سہی، لیکن قتل سے کم کوئی سزا قبول نہیں۔ اسلام وقت کا انتظار کرتا، جذبات کی پرورش کرتا اور زخموں کو تازہ رکھتا ہے۔ پھر جیسے ہی دشمن تہِ تیغ آتا ہے تو پھر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ اور

ایسا ہی ہوا۔ صرف ایک سال میں۔ جی ہاں! صرف اور صرف ایک ہی سال میں! مکہ کے تمام بڑے گستاخانِ رسول ﷺ بدر کے اندھے کنویں کی خوراک ہوئے۔

یہ ہے اسلام کا انتقام! یہی تھا اس کا اصل وقت! اور یہی تھی تسکینِ قلب کی روش!

برسوں سے احتجاجی ریلیاں، جلوس اور ہڑتالیں کرنے والوں نے آج تک کیا کیا؟ سوائے شورش برپا کرنے اور اپنی ہی قوم کا نقصان کرنے کے؟؟

آیئے! اب مدینہ طیبہ چلتے ہیں! یہاں اسلام ابھی اپنی آبیاری کے ابتدائی ایام میں ہے۔ سلطنتِ اسلامیہ ابھی پرورش پا رہی ہے۔

یہاں عبد اللہ بن ابی جیسے منافقین بستے ہیں۔ جس نے تاریخِ عالم کی سب سے بدترین گستاخی کی۔ اور قرآن میں اللہ نے اس کی گستاخی کو ذکر کیا۔ اس نے کہا تھا کہ:

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ

المنافقون-8

''یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب لوٹ کر مدینے جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔''

اس ذلیل نے اپنے آپ کو عزت والا اور اللہ کے باعزت و مکرم رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو (نعوذ باللہ) ذلیل کہا تھا۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فوراً تلوار نکالی اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے اجازت طلب کی کہ کیا میں اس ذلیل کی گردن نہ ماردوں؟ لیکن سراپا رحمت ﷺ نے فرمایا: اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کہ لوگ کہیں یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرواتا ہے[2]۔

اس وقت فتنے کے ڈر سے اللہ کے نبی ﷺ نے اس کے قتل سے احتراز فرمایا۔ اسے واقعۂ افک میں تہمت کی حد سے مستثنیٰ کیا گیا، لیکن فرشتوں کا انتقام اس کی موت کا منتظر تھا۔ اور رب کا انتقام اس جیسے منافقین کو قیامت تک محرومِ رحمت کر کے دائمی عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے اللہ نے قرآنِ مجید میں رہتی دنیا تک کسی بھی منافق کا جنازہ پڑھنے اور اس کے لیے دعائے استغفار کرنے سے منع فرمادیا، بلکہ یہ بھی فرمادیا کہ:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

النساء-145

''منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔''

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا

التوبة-68

''اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

یہاں یہودیوں کا ایک ملعون سردار کعب بن اشرف بھی رہتا ہے، جسے اس کی گستاخی کی سزا دینے کیلئے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ خفیہ طریقے سے جا کر اسے قتل کرتا ہے۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب اس گستاخ کی قوم کا ہر بالغ مرد قتل کر دیا گیا، عورتیں اور بچے غلام بنا لیے گئے۔ یہاں پر بھی نہ کوئی ریلی نکلی، نہ جلوس سڑک چھاپ ہوا اور نہ ہی کوئی ہڑتال ہوئی۔

آخر فتحِ مبین کی منزل قریب آئی۔ مکہ زیرِ نگیں ہوا اور اہل مکہ سرنگوں! ہر ایک کو امان دی گئی، سوائے ان سابقہ گستاخوں کے کہ جو ہجرت سے پہلے اشرارِ مکہ ثابت

ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں حکم ہوا کہ: ”اگر کعبہ کی دیوار سے بھی چمٹے ہوں تو قتل کر دیا جائے۔[3] یہ ہے تیسرا اور آخری دورِ انتقام۔ اب کوئی مصلحت پاؤں کی زنجیر نہیں! اب کوئی خوف دامن گیر نہیں! اب کوئی اعتراض قابلِ شنید نہیں!

جب جذبات سنبھالے جاتے، زخم کریدے جاتے اور عزائم کو سینوں میں بیدار رکھا جاتا ہے، تب انتقام صرف دشمن کی موت کی صورت میں ہی جلوہ گر ہوتا ہے۔ ریلی تو کمزوری کی علامت ہے، نااہلی کو پردۂ زرنگار میں چھپانے کی مذموم سعی ہے اور جذبات کے تقدس کو شاہراہوں کی دُھول چٹانا ہے۔

بقولِ اقبال:

مجھ کو معلوم ہیں پیران حرم کے انداز
ہو نہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف
اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

جاننے والے اگر فہم آشنا ہوں، پڑھنے والے اگر فطرت کے نکتہ رساں ہوں اور سمجھنے والوں کے دریچۂ دِل وا ہوں، تو ان کے لئے مشرکین مکہ کی انتقامی مثال ہی کافی ہے کہ فطرت کے باغی اپنے ”دشمن دین“ کے مقابلے پر کیسے فطرت شناس ہو جایا کرتے تھے؟

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے خامہ فرسائی کی ہے کہ غزوۂ بدر میں شکست و ریخت کے بعد وہ کس قدر ”خاموش“ ہو بیٹھے تھے۔ انہوں نے باہم فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنے غم کو سینے کا ہار اور سر کا تاج بنا کر رکھیں گے، تا آنکہ آئندہ دنوں میں بھرپور تیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کریں اور ان سے اپنی شکستِ بدر کا بدلہ لیں گے۔ انہوں نے مکمل خاموشی سے بھرپور تیاری کی۔ مزید قبائل عرب کو ساتھ ملایا۔ بدر کے حملے سے محفوظ ابوسفیان کے قافلے کے تمام تاجروں نے اپنے کل مال کو اُحد کی

تیاری کے لئے وقف کر دیا۔ کوئی شخص ایسا نہ تھا جو کسی نہ کسی صورت میں میدانِ اُحد میں موجود ہو، جو خود نہ تھا' اس کا قرض دار تھا، مالک نہ تھا تو غلام تھا۔ کوئی لالچ پر آیا تھا تو کوئی دھمکی سے لایا گیا تھا، الغرض یہ ان کے لئے بقا یا فنا کی جنگ تھی، مگر کس قدر خاموشی کے ساتھ] ! !4[

فطرت کے منکر بھی اس کے زیر اثر تھے! خدا کے منکر بھی خدا کے خوگر تھے!

کاش! کہ ملتِ اسلامیہ کے موجودہ حدی خواں' جو اپنی چوہدراہٹوں کے خول میں گردن دبائے مست مئے پندار بیٹھے ہیں، کبھی اسلام کے آفتابِ تاباں کے مزاج آشنا بھی بن پاتے' تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اسلام شور شرابے، اٹکھیلیوں اور شرارتی ناز و اَدا سے اٹھلاتی رونقِ بازاری کا نام نہیں ہے۔

اسلام تو ہر باطل کے مقابلے پر شمشیر برہنہ کا نام ہے! اسلام تو

فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ

الانفال-12

کا نام ہے! اسلام تو گردنِ کفار کو محرومِ بدن کرنے کا نام ہے!

کاش! کہ دعوت وارشاد کے مسند نشینوں نے بھی کبھی سوچا ہوتا' کہ ہم اپنی ذاتی خود نمائی کیلئے ناموسِ رسالت کو کمائی کا ذریعہ کیوں بنائیں! کاش! کہ کبھی ان کے دل کی راہ گذر پر یہ خیال بھی ٹھہرا ہوتا کہ ہم نے اپنی سیاست کے اندھیروں کو قرآن کے نور سے منور کرنے کی کوشش کی ہوتی! کاش! کہ انہوں نے یہ خیال آرائی بھی کی ہوتی کہ سنتِ رسول ﷺ کی ضیا پاشیاں کبھی ہمارے بے آباد مکانوں پر بھی دستک کناں ہوئی ہوتیں! تو آج ماحول ریلیوں کا نہیں، بلکہ دعوت وجہاد کے ان ریلوں کا ہوتا' جس کے آگے کفار کے لاکھوں کے لشکر بھی ریت کے ذرات سے حقیر تر ہوا کرتے تھے!

ان ابابیلوں کا ہوتا' جو اتحادی افواج پر شاہین بن کر برستے! ان ملائکہ کا ہوتا' جن کی حیات کے سب سے قیمتی لمحات بدر کے میدان میں خاک بہ سر ہوئے!

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں، گردوں سے 'قطار اندر قطار اب بھی!

اور

آج بھی ہو' جو ابراہیم سا ایماں پیدا تو آگ کر سکتی ہے وہی اندازِ گلستاں پیدا!

ضرورت ہے اس بات کی کہ اسلام کی حقیقی روح کو نا صرف یہ کہ اچھی طرح سمجھا جائے، بلکہ اس کے مزاج سے اپنے آپ کو مزاج آشنا بھی کیا جائے۔ نہ کہ' خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں' کے مصداق اسلام کو اپنے ہم آہنگ بنانے کی سعیٔ لاحاصل کرے، بلکہ خود بھی اور اپنے مقتدیوں، اپنی جماعت کے کارکنوں اور ماتحت لوگوں کو بھی اسلام شناسی پر کاربند کرے کہ یہی اور بس یہی ایک طریقہ غلبۂ اسلام کیلئے کارآمد و مجرب ہے، وگرنہ سڑکوں کی دھول ہی آپ کا مقدر ہے!

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے صنم کدہ ہے جہاں، لا الٰہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا فریبِ سود و زیاں، لا الٰہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند بتانِ وہم و گماں، لا الٰہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زُناری نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الٰہ الا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکم اذاں، لا الٰہ الا اللہ

اس شعر کے ساتھ اپنے مضمون کے سرِ محضر یہ مہر لگا رہا ہوں کہ

اب جو چاہے وہی پائے روشنی ہم نے تو دل جلا کے سرِ عام رکھ دیا!

[2] صحیح بخاری:4905

[3] سنن نسائی:4067

[4] تفصیل کیلئے دیکھیں سیرت النبی ﷺ کی عالمی شہرت یافتہ کتاب: الرحیق المختوم

(6) بچوں کی تربیت کے رہنما اصول!

بنتِ محمد رضوان حفظہا اللہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد:

نعم الالہ علی العباد کثیرۃ و اجلھن نجابۃ الاولاد

" "نعمتیں معبود کی بندوں پر بے شمار ہیں پھولوں جیسے بچے ان میں سب سے بڑھ کر نعمت ہے"۔

ابتدائیہ :

اولاد والدین کے لیے ایک انمول تحفہ ہے جس کو حاصل ہو جائے ان کی زندگیاں ایک نیا رخ اختیار کر لیتی ہیں ان کی زندگیوں کا محور ان کی اولاد بن جاتی ہے۔ بعض اوقات اولاد کی خواہش میں انسان کے کئی ماہ و سال انتظار میں صعوبتیں جھیلتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور جن کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے تو کبھی والدین کی طرف سے بے رغبتی لاپرواہی نظر آتی ہے اور کہیں بے جا لاڈ و پیار۔ دین اسلام انسانی فطرت کی عکاسی کرتا ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اولاد کی خواہش نبیوں نے بھی کی۔

اولاد کی خواہش انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے

اولاد کی خواہش رکھنا ایک فطری عمل ہے: قرآن مجید میں سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا مذکور ہے۔

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا

مریم-5

" "(اے اللہ) مجھے اپنے مرنے کے بعد قرابت داروں کا ڈر ہے اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے بہترین وارث عطا کر۔

سیدنا زکریا علیہ السلام کی اس دعا کا محور نیک اولاد تھی جو ان کے لیے اور آنے والے دور کے لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہو۔ زکریا علیہ السلام کی ایک اور دعا اس ضمن میں قرآن میں موجود ہے۔

قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ

آل عمران-38

ترجمہ: "اے اللہ اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر دے۔ بے شک تو دعاؤں کو سننے والا ہے"۔

اولاد کے مزاج کی تشکیل اور سیرت و کردار کا انحصار بچپن پر ہوتا ہے کیوں کہ ان واقعات کی حیثیت "النقش علی الحجر" (پتھر کی لکیر) جیسی ہوتی ہے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں چھ ماہ کا بچہ جو دیکھتا ہے وہ اس کے ذہن پر نقش اور اس کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ جدید تحقیقات نے اس بات کو بھی ثابت کر دیا ہے کہ دوران حمل میں کیے گئے والدین کے خصوصاً ماں کے کیے ہوئے عمل اخلاقیات، ایمانیات کے اثرات بچوں پر رونما ہوتے ہیں اور ان کے اندر جذب ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

"کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ"

(تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کی بابت پوچھا جائے گا) کا بنیادی اصول طے کر کے ہمیں اولاد کی تربیت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ [2]

ہم مختصر طور پر ان مرحلوں کی جانب آتے ہیں جو والدین تربیت اولاد میں طے کرتے ہیں اور قرآن و حدیث سے صحیح طور پر ان مراحل کے لئے راہ نمائی لیتے ہیں۔

پہلا مرحلہ: ولادت سے قبل

دوسرا مرحلہ: ولادت سے 3 سال کی عمر تک

تیسرا مرحلہ: چار سال سے دس سال کی عمر تک

چوتھا مرحلہ: دس سال سے چودہ سال کی عمر تک

پانچواں مرحلہ: پندرہ سال سے اٹھارہ سال کی عمر تک

پہلا مرحلہ

شریعت کی راہ نمائی ولادت سے قبل:

اللہ رب العالمین نے نیک اولاد کی پرورش، نسل انسانی کی بقاء کے لیے ان کی ایمانی قوتوں کے لیے ابتدائے انسانیت کے مرحلوں پر میاں بیوی کو "وظیفۂ زوجیت" سے قبل دعا کی خصوصی تلقین کی ہے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان ہے نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس تعلق قائم کرنے کے لئے آئے تو یہ دعا پڑھے:

"بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا"

اللہ کے نام کے ساتھ! اے اللہ ہمیں شیطان مردود سے بچا اور (اس اولاد کو بھی) شیطان سے بچا جو تو ہمیں عطا فرمائے۔]3[

قرآن سے ہمیں یہ بات پتہ چلتی ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام کی پیدائش سے قبل ہی ان کی والدہ نے انہیں اور ان کی نسل کو شیطان سے بچانے کے لئے اللہ کی حفاظت میں دے دیا تھا۔

وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

آل عمران–36

ترجمہ: "بے شک میں اس بچے کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں"۔

لڑکا اور لڑکی دونوں نعمت ہیں

اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے:

يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ

الشوریٰ-50/49

ترجمہ: "اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے"۔

لڑکی کی پیدائش آج بھی اس ترقی یافتہ دور سے خود کو منسوب کرنے والوں کے لیے اسی طرح ہے جیسے جاہلیت کے ادوار میں ہمیں جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ (الٹراساؤنڈ) جدید دور کی اس تحقیق کے نتیجے میں قبل از وقت معلومات حاصل کر کے لڑکی کو ابارٹ (Abort) کرانا اللہ ربّ العالمین کی نافرمانی، سخت گناہ کی طرف انسان کو راغب کر دیتا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

الانعام-140

ترجمہ: "یقیناً خارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بناء پر قتل کیا"۔

انسان اپنی نادانی اور مفلسی کے خوف سے اس گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اللہ رب العالمین نے اس فعل کو قتل کے نام سے منسوب کیا جس کا ایک نیا نام ہمارے ہاں Abortion کے نام سے معروف ہے۔ اللہ رب العالمین نے انسان کو سخت تنبیہ کی کہ یہ نہ کرو۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا

بنی اسرائیل-31

ترجمہ:"اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے"۔

اولاد آزمائش اور امانت ہے

پھر اے انسان! یہ بھی یاد رکھ یہ اولاد آزمائش ہے اور یہ بچپن کا دور انتہائی زرخیز قدرے طویل اور بہت اہم ہے آپ نے ان کی کردار سازی کے لیے بلند پایہ مہاراتِ حیات اور صحیح نظریات کا بیج بونا ہے لیکن یہ اتنی آسانی سے ممکن نہ ہوگا۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

الانفال-28

ترجمہ:"اور جان رکھو تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں"۔

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

الکھف-46

ترجمہ:"یہ مال اور یہ اولاد محض دنیاوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہیں"۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جان لیں کہ بچہ / بچی والدین کے پاس امانت ہے اور اس کا دل منقش پاکیزہ موتی کی طرح ہوتا ہے جس پر کچھ بھی نقش کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس کی اچھی پرورش کی جائے تو وہ دنیا اور آخرت میں سعادت مند رہتا ہے اور اپنے والدین و اساتذہ کے لیے صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اس کی غلط تربیت کی جائے اور اس پر صحیح توجہ نہ دی جائے تو یہ اس کے لیے باعث شقاوت و ہلاکت بن

جاتا ہے جو کہ نہ صرف اس بچے کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے بلکہ اس کا وبال بچے کے سربراہ اور ذمہ دار پر بھی پڑتا ہے۔ ترجمہ: ارشاد ربانی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

التحریم-6

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"۔

اس لیے والدین کو دنیا کی آگ کے مقابلے میں جہنم کی آگ سے اپنے بچے کی حفاظت کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔] 4[

بچوں کی تعلیم وتربیت ایک بھاری ذمہ داری ہے یہ اولاد اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے یقینا کسی بھی امانت کی حفاظت کے لئے مکمل توجہ اور ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان امور اور اسباب سے بچا جا سکے جو اس امانت میں خیانت کا باعث بن سکتے ہیں۔ اب یہ آپ پر ہے کہ آپ اس کی حفاظت کریں یا اس کے کردار و اخلاقیات کو معاشرے کے سپرد کر دیں۔ اس آزمائش پر پورا اترنے کے لیے آپ نے ان تمام پہلوؤں کو اپنے عمل میں لا کر اسی پہلو پر ان کی تربیت کرنی ہو گی جس کے لیے آپ کو پہلے سے تیاری کرنی پڑے گی۔ اور یہ مراحل پوری زندگی آپ کو مسلسل کرنے ہوں گے جن کی ابتداء ان امور سے ہو گی۔ 1

1۔ ایمانی تربیت:

کلمہ طیبہ توحید سے خود کو معمور کرنا ہو گا اور تمام توہمات وبدعات سے خود کو بھی محفوظ رکھنا ہو گا تاکہ اس کے اثرات آپ کی اولاد میں منتقل نہ ہوں۔ ایمان کا چراغ ابتداء سے ان میں جلانا ہو گا جس کے لیے خود کو ایمان سے منور کرنا ہو گا۔ مثلا دوران حمل کے توہمات اور بدعات سے خود کو محفوظ رکھنا ہو گا۔

☆جیسے سورج گرھن چاند گرھن یہ صرف سائنسی حقیقت ہے ان سے متعلق امور کے بارے میں توہمات کا شکار نہ ہوں، اس سے آنے والے بچے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کوئی دن یا گھڑی منحوس نہیں ہوتی۔

☆گود بھرائی بدعات میں سے ہے، ہندوانہ رسم ہے سنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

☆یہ تصور غلط ہے کہ دوران حمل کسی بیمار کی بیمار پرسی کے لیے جانے سے یا جنازے سے حمل ضائع ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ان تمام باتوں کے لیے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا، نہ ہی الو (کی نحوست) نہ ہی ستارے (کی وجہ سے بارش) اور نہ ہی صفر (کے مہینے کی کوئی حقیقت ہے۔)] 5[

اپنی ایمانی تربیت کر کے اس کی ایمانی تربیت کی تیاری پہلے سے کرنا ہو گی۔ ان میں اللہ رب العالمین کی محبت دوران حمل سے ہی ڈالنا ہو گی۔ جدید تحقیق اس بات کو ثابت کر چکی ہے کہ ہمارا بچہ سنتا بھی ہے، سمجھتا بھی ہے React بھی کرتا ہے اس کو اس گود حمل سے ہی محبت الٰہی اور محبت رسول ﷺ کا درس دیں۔

2۔ اخلاقی تربیت:

دوران حمل آپ کا بچہ آپ سے سیکھتا ہے کہ آپ کس قسم کے الفاظ بولتے ہیں، آپ کیا سننا پسند کرتے ہیں، آپ کیا دیکھتے ہیں؟ یہ سب جو آپ دوران حمل کر رہے ہوں گے آپ کا بچہ وہ سب اثرات قبول کرے گا۔ تلاوت قرآن کا اہتمام کرنا خاص طور پر اس حالت میں، پھر کم بولنا اچھا بولنا، ہنسنا مسکرانا، شکر کے ساتھ اللہ کی طرف سے ملنے والی نعمت کو قبول کرنا اور خود جھوٹ غیبت گندے الفاظ کی ادائیگی سے بچنا تاکہ بری عادات و اخلاق ان میں جذب نہ ہو جائیں۔ ماں ہونے کے ناطے ایک ماں کو سسرال سے ہونے والے معمولی تنازعات پر برداشت

کرنااور غلطی پر Sorry کرنے کی عادت ڈالنا کہ ان کے اندر بھی غلطی پر جواز (Justification) کی عادت نہ آنے پائے۔

3۔ جسمانی تربیت:

ایسا کیوں ہوتا ہے اکثر جو ہمیں پسند ہو وہ ہماری اولاد کو بھی پسند ہوتا ہے۔ جو خوراک ہم کھاتے ہیں دوان حمل ایک ماں جو کھاتی ہے وہی ذائقہ بچوں میں منتقل ہوتا ہے اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ صحت مند غذا سنت کے مطابق کھائیں تاکہ وہی عوامل آپ کی اولاد میں نظر آئیں۔ اپنی صفائی طہارت کا اہتمام کریں تاکہ آپ کی عادتیں خصلتیں ان میں بھی منتقل ہوں اور عمر کے ساتھ ساتھ آگے جا کے آپ نے ان کو اس کے فوائد اہمیتیں اور احاگر کرنا ہوں گی۔ اور ان کو ابتداء سے ہی خود یاد رکھیں ان میں بھی ڈالنا ہوگا۔ اللہ نے جیسے چاہا ہمیں اپنی پسند سے بنایا یہ اعزاز ہے۔

4۔ عقلی تربیت:

ان کی تعلیم کا خاص خیال رکھنا۔ دوران حمل سے انتہائے عمر تک انہیں جنت و جہنم کی آگاہی دینا جس کے لیے آپ نے دوران حمل خود بھی وہ کام اپنانے ہیں جو جنت کے مستحق بنائیں اور جہنمیوں والے کاموں سے خود بھی بچنا ہوگا۔ ایسا ہرگز نہ کریں کہ آپ خود 9 the Month Duration ٹی وی، فضول لٹریچرز نماز سے بے رغبتی جیسے فضولیات میں اپنا وقت برباد کریں، یاد رکھیں اس کے گہرے اثرات آپ کے بچوں پر آئیں گے۔

5۔ نفسانی تربیت:

اگر والدین خود دین کی راہ نمائی پر چلنے والے ہوں تو بچیوں میں ہرگز EQ develop نہیں ہوگا۔ دین پر عمل کرنے میں جب ابتداء سے آپ نہ خود شرمندہ ہونے والے ہوں تو وہ بھی نہ ہوں گے اور خود کو بہت معزز سمجھیں گے۔

6۔معاشرتی و جنسی تربیت:

آپ خود اس مرحلے میں ذمہ دار ہوں گے یہ سب ان میں بھی منتقل ہوگا۔ احساس کمتری کا آپ شکار نہ ہوں گے ان میں بھی یہ کمیاں نہیں آئیں گی۔اور وقت آنے پر ان کی بھی جسمانی تربیت کی جائے انہیں ان میں آنے والی تبدیلیوں کو وقت پر بتایا جائے اور دوران حمل اپنے جنسی جذبات پر خصوصی ضبط کر کے جائز حلال طریقے سے ہی پورا کیا جائے۔

دوسرا مرحلہ

ولادت سے تین سال کی عمر تک

بچے کو شیطان سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ کی پناہ میں دیا جائے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی بچہ ایسا نہیں جس کی پیدائش پر شیطان اس کو کونچا نہ مارے، کہ وہ اس کے کونچا مارنے سے روتا ہے۔ مگر مریم علیہا السلام اور ان کے بچے کو شیطان کونچا نہ دے سکا"۔[6]

سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے انہیں اور ان کی نسل کو شیطان سے بچانے کے لیے اللہ کی حفاظت میں دے دیا تھا انہوں نے دعا کی۔

وَاِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

آل عمران-36

ترجمہ: "بے شک میں اس بچے کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں"۔

نومولود کے کان میں اذان و اقامت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے ہاں بچہ ہو وہ اس کے دائیں کان میں اذان دے اور بائیں میں اقامت۔][7]

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اذان اور تکبیر کہنے کا راز یہ ہے کہ انسان کے کان میں سب سے پہلے اس عظیم اعلان کے الفاظ پڑیں جو باری تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر مشتمل ہوں۔ اسے وہ حکم شہادت سنائی دے جو اسلام میں داخل ہونے کی اولین شرط ہے۔ بچے کے سامنے ان الفاظ کی ادائیگی دنیا میں اس کی آمد کا اسلامی شعار ہے جیسا کہ دنیا سے جاتے ہوئے اس کے سامنے کلمہ توحید پڑھا جاتا ہے۔ اس چیز کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بچے نے اگر اسے نہ سمجھا ہو پھر بھی اس کے دل میں اس کا اثر سرایت کر جاتا ہے اور وہ اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔][8]

سنت نبوی ﷺ ”تحنیک“

تحنیک رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔ جو وہ ہر نومولود بچے کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ کھجور چبا کر بچے کے تالو پر ملنا اور تھوڑا سا منہ میں ڈالنا۔

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کو منہ مبارک میں نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی“[9]۔

شکر کثیر:

ارشاد ربانی ہے:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

ابراھیم-7

ترجمہ: اگر تم شکر ادا کرو گے تو اور زیادہ عطا کروں گا اور لیکن اگر ناشکری کرو گے (اسے ضائع کرو گے) تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اچھا نام رکھنا:

سیدنا ابو وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم پیغمبروں کے نام پر نام رکھا کرو اللہ کے نزدیک زیادہ پیارا نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہے"۔[10]

عقیقہ کرنا بال منڈھوانا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے اگر کوئی اپنے بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری دے"۔[11]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پیدا ہونے پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے فاطمہ اس کا سر منڈھواؤ اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرو"۔[12]۔

مدت رضاعت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ

البقرۃ-233

ترجمہ: "جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیے تو مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال تک دودھ پلائیں"۔

ختنہ کرانا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچ کام اعمال فطرت میں سے ہیں: ختنہ، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن اتارنا اور بغلوں کے بال نوچنا"۔[13]

تعلیم وتربیت:

دین عقیدہ توحید کی معرفت کروانا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سکھاؤ] " [14

محبت وشفقت کا برتاؤ:

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "اللہ کے نبی ﷺ مجھے ایک ران پر بٹھالیتے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دوسری ران پر پھر ہم دونوں کو گلے لگالیتے اور کہتے اے اللہ میں ان پر شفقت کرتا ہوں تو بھی ان پر مہربانی فرما"۔]15[

آداب لباس سکھانا:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا: "نبی کریم ﷺ نے مجھے زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: تمہاری ماں نے تمہیں یہ پہننے کو کہا تھا؟ میں نے عرض کیا میں انہیں دھو کر (ان کا رنگ اتار) دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ انہیں جلادو] " [16

دوسری روایت میں فرمایا: "یہ کافروں کا لباس ہے اسے نہ پہنا کرو"]17[

تحفے دینا:

سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا میرے ساتھ کچھ اور لڑکے بھی تھے ہم آپ کے پاس گئے تو آپ کھجوریں کھا رہے تھے آپ ﷺ نے ان میں سے ایک ایک مٹھی ہمیں بھی عطا فرمائی اور ہمارے سر پر ہاتھ پھیرا"۔]18[

سچ بولنے کی تاکید کرنا:

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تھے کہ مجھے میری والدہ نے بلاتے ہوئے کہا آؤ میں تمہیں کچھ دیتی ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا: کھجور۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اسے کچھ نہ دیتی تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا]' ' 19[

تیسرا مرحلہ

چار سے دس سال کی عمر تک حسن آداب و اچھی سیرت دینا:

سیدنا سعد بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر کوئی چیز نہیں"۔]20[

فرائض کی تاکید:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو']' 21[

حیا کی آبیاری:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو"۔]22[

اچھی تربیت:

اولاد کے لیے والدین خصوصاً ماں کی گود پہلی درس گاہ ہوتی ہے لہذا ان پر تربیت کی بھاری ذمہ داری آتی ہے۔ کسی بھی عمارت کی بنیاد میں اگر پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی لگ

جائے تو پوری دیوار ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ آج کے والدین اولاد کے اعلیٰ مہنگے تعلیمی اداروں میں داخلوں پر تو توجہ دیتے ہیں لیکن اچھے باکردار انسان بنانے کی فکر نہیں کرتے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا: "ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مشرک بناتے ہیں اس لیے اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو"[23]۔

دنیا پر آخرت کو ترجیح دیں:

والدین غیر شعوری طور پر اللہ کے مقرر کردہ فرائض مؤخر کر کے بچے کے سامنے دنیاوی کاموں کو اہمیت دیتے ہیں مثلاً اکثر والدین بچوں کو فجر کے لیے نہیں اٹھاتے کہ وہ تھکے ہوئے ہیں روزے نہ رکھنے کا کہتے ہیں کہ پڑھ پڑھ کر کمزور ہو جائیں گے امتحانات کے ابتداء میں قرآن پڑھانے والوں کی چھٹی کر دیتے ہیں، وقت نہیں ہے۔ یہ ساری فکر کا محور یہ ہوتا ہے یہ اولاد پڑھ لکھ کر ایک کامیاب انسان بن جائے جس کا معاشرے میں Status ہو۔ گھر، گاڑی، بنگلہ۔

لیول:

کیا دوران تربیت یہ Level یاد آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنت کے سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت کا فرق ہے"[24]۔

کیا یہ فکر ہوئی کہ میری اولاد کا Level کیا ہوگا کہاں گھر ملے گا جنت میں ملے گا بھی یا نہیں؟ پڑھائی پر Compromise نہیں کیا والدین نے بچوں کو جنت الفردوس کی طرف دوڑنے والوں کی صف میں دوڑایا؟ اس کے لیے محنت کا کہا؟ ان کو مقصد حیات بتایا؟

بچے کو خوبصورت نصیحت:

آپ ﷺ نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما سے فرمایا: ”اے بیٹا! میں کچھ باتیں سکھاتا ہوں۔ تم اللہ کی شریعت کی پابندی کروگے وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اس کی شریعت کی پابندی کروگے تم اسے اپنی مدد کے لیے تیار پاؤگے تم جب بھی مانگو اللہ سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ سے چاہو اور یہ بات ذہن میں رکھو اگر سارے لوگ اکٹھے ہو کر تمہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو تمہیں اس کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھا ہے اور اگر پوری دنیا تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو وہ تمہیں اس کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ رکھا ہے“۔[25]

بچوں کے کھلونوں کی قدر:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا شادی کے وقت نبی ﷺ کے گھر اپنے کچھ کھلونے لے کر گئیں تھیں جس سے کھیلا کرتی تھیں اور آپ ان کو سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے کی ترغیب بھی دلاتے تھے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بچے کو کھیل سے روکنا اور اسے ہر وقت پڑھتے رہنے کو کہنا اس کے ضمیر کو مردہ کر دیتا ہے۔ بچے کو دن کے کسی حصے میں سیر اور ورزش کا عادی بنایا جائے تاکہ اس پر سستی غالب نہ آئے[26]۔

ملامت نہ کرنا:

زیادہ ڈانٹ سننا آدمی کے اپنے لیے باعث ندامت ثابت ہوتا ہے اس سے بچہ ضد کرنے لگتا ہے یہی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ اس سے بہت گریز کرتے رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابی سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے دس سال تک نبی کریم ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اللہ کی قسم نہ تو کبھی

آپ ﷺ نے مجھے اف کہا اور نہ یہ کہا کہ تم نے ایسے کیوں کیا یا ایسے کیوں نہیں کیا۔][27

راز چھپانے کی تلقین:

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اس کے بعد مجھے ایک راز کی بات بتائی جسے میں لوگوں میں سے کسی کو نہ بتاؤں گا۔][28

بچوں کے ساتھ کھانا کھانا:

سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دفعہ کھانے کے دوران میں اپنے ہاتھ کو برتن میں جابجا گھما رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے لڑکے! بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ اپنے دائیں ہاتھ سے اور اپنے قریب سے کھایا کرو۔

بچوں کے لیے نظر بد کا دم:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے نواسوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو نظر بد اور تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ دعا پڑھ کر دم کرتے تھے:

"أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ"

ترجمہ: میں تم دونوں کو اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ دیتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے جانور اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے۔][29

اس کے علاوہ معوذتین اور آیۃ الکرسی بھی پڑھنا اس کا علاج بتایا۔

چوتھا اور پانچواں مرحلہ

عشاء کے بعد سونے کی تربیت:

آپ ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کرنے کو ناپسند فرماتے تھے[30]۔

کام کرنے کا ڈھنگ سکھانا:

رسول اللہ ﷺ ایک لڑکے کے پاس سے گزرے وہ بکری کی کھال اتار رہا تھا اسے دیکھ کر فرمایا: "ایک طرف ہو جاؤ میں تمہیں کھال اتار کر دکھاتا ہوں"[31]۔

گھر میں داخلے کے آداب سکھانا:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے میرے پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر میں جاؤ تو السلام علیکم کہا کرو یہ چیز تمہارے اپنے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے باعث برکت ہو گی۔[32]

علماء کی ہم نشینی واحترام:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ: "نیک اور متقی لوگ ہمارے سردار ہیں اور فقہا ہمارے پیش رو، ان کے ساتھ بیٹھنا علم میں اضافے کا باعث ہے"[33]۔

بڑوں کا ادب سکھانا:

ایک دفعہ عبدالرحمن بن سہل اور حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عبدالرحمن نے بات شروع کر دی تو فرمایا: "بڑے کو بات کرنے دو بڑے کو بات کرنے دو"[34]۔

قرآن وحدیث کو اہم رکھنا اس کی محبت دل میں بٹھانا:

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ اسے دین کی فہم وفراست عطا فرما اور اسے قرآن کی تفسیر سکھا دے"۔[35]

علم کی پیاس پیدا کرنا:

لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی تم نہ علم کو مقابلے کے لیے سیکھو اور نہ جہلاء سے جھگڑنے کے لیے اور نہ ہی محفلوں میں ریاء وغرور کے لیے جب تم کچھ لوگوں کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھو تو ان کے پاس بیٹھ جاؤ اگر تم صاحب علم ہوئے تو تمہارا علم مفید ہوگا اور اگر تم جاہل ہوگے تو وہ تمہیں اپنے علم سے مستفید کریں گے۔

بچوں کو کتابت سکھانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ

القلم-1

ن، قلم کی قسم ہے، اور ان کی تحریر کی قسم ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کے نزدیک یہ ایک قابل محترم چیز ہے اور اس سے لکھنے والے بھی اسی طرح محترم ہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ترغیب:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

آل عمران-110

ترجمہ: (مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ عزوجل پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں۔

صبر:

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

لقمان–17

ترجمہ:"اور (از راہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا"۔

دھیمی آواز:

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ

لقمان–19

ترجمہ:"اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی سی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب سے بری آواز گدھوں کی ہے"۔

خلاصہ کلام:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ضائع کر دے۔][36

جس طرح اولاد کے لیے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا متعدد بار حکم ہے اسی طرح والدین کے لیے بھی اولاد کی صحیح منہج پر تربیت کرنا لازم وملزوم ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ شریعت کے مطابق اپنی اولاد کی تربیت کرتے ہوئے ایک اسلامی معاشرہ قائم کریں۔

درود وسلام ہوں محمد رسول اللہ ﷺ پر جنہوں نے بحیثیت والد یہ کردار عملاً کر کے ہی نہیں دکھایا بلکہ بحیثیت نبی امت کے والد بن کر بھی عملاً تربیت کر کے دکھائی اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے جو تمام جہانوں کا مالک ہے عزت وذلت کے تمام اختیار اس کے ہاتھ میں ہیں۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

[2]مسند احمد:4495

[3]بخاری و مسلم

[4]التربیۃ الاسلامیۃ اصولھا و تطورھا فی البلاد العربیۃ 199:

[5] صحیح مسلم

[6] صحیح مسلم

[7]ابن سنی

[8]التربیۃ الإسلامیۃ

[9]بخاری

[10]ابو داؤد نسائی

[11]ابو داؤد

[12]مشکوٰۃ

[13]بخاری

[14]سنن ترمذی

[15]بخاری

[16]مسلم

[17]مسلم

[18]معجم اوسط طبرانی

[19]ابی داؤد

[20]ترمذی

[21]ابو داؤد

[22]ابو داؤد

[23]بخاری

[24]ترمذی

[25]جامع ترمذی ومسند احمد

[26]احیاء علوم الدین

[27]بخاری

[28] صحیح مسلم

[29]بخاری

[30] صحیح بخاری

[31]سنن ابی داؤد: کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من اللحم

[32]سنن ترمذی

[33] مجمع الزوائد

[34] صحیح بخاری

[35] صحیح بخاری

[36]ابو داؤد

(7) طمع وحرص علامات قیامت کی روشنی میں

فضیلۃ الشیخ علامہ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝

التکاثر: 1–8

ترجمہ: زیادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے۔ ہرگز نہیں تم عنقریب معلوم کر لو گے۔ ہرگز نہیں پھر تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لو۔ تو بے شک تم جہنم دیکھ لو گے۔ اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہو گا۔

معاشی معاملات کے حوالے سے عموماً انتہائی اہم شرعی اصول بیان ہوئے ہیں جن کو موجودہ بینکاری سسٹم میں رائج کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور ان شرعی اصولوں کیلئے عہدِ صحابہ کی عملی بے شمار مثالیں بیان ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں جو بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ ان شرعی اصولوں کی رو سے عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جو مضاربہ اور مشارکہ یا کوئی بھی اور معاشی معاملہ سرانجام پاتا تھا وہ دراصل دو بھائیوں کا مضاربہ، مشارکہ اور معاملہ ہوتا تھا جو سراسر اخلاص اور جذبہ تعاون کے تحت ہوتا تھا۔ مگر آج کل کے مالیاتی اداروں اور بینکوں میں یہ اخلاص اور تعاون کا جذبہ ناپید ہے؟ بینک کا خلاصہ جو مجھے سمجھ آیا ہے اس کا نچوڑ کچھ یوں ہے کہ کسی بھی شخص کے اچھے وقت کا ساتھی، اس پر اگر برا وقت آجائے اور بینک کا کوئی حق اس سے منسلک ہو تو وہ اسے نچوڑ کر وہاں مارتا ہے کہ جہاں اس کو پانی تک نہیں ملتا ۔ موجودہ معاشرے میں نہ اخوت ہے اور نہ ہی جذبہ تعاون نہ خیر خواہی!

دراصل موجودہ معیشت کی بنیادی خرابی کو اگر دیکھا جائے تو دیگر معاملات کیگتھی سلجھانا آسان ہو جاتا ہے، اور شریعت کے ان سنہرے اصولوں پر کاربند رہنا اور انھیں اپنی زندگی میں نافذ کرنا بھی نہایت آسان ہو جاتا ہے جسے لوگ آج کل بہت مشکل تصور کرتے ہیں۔ اور وہ بنیادی خرابی ہے مال کی حرص جو علامات قیامت میں سے ایک اہم علامت ہے۔ اس موضوع کی اساس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جو کہ مستدرک حاکم[1] میں صحیح سند سے منقول ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اقتربت الساعة"۔ "قیامت قریب آتی جارہی ہے اور جوں جوں لوگ قیامت کے قریب بڑھ رہے ہیں" '

لَا يَزْدَادُ النَّاسُ إِلَّا حِرْصًا، وَلَا يَزْدَادُونَ مِنَ اللهِ إِلَّا بُعْدًا

' 'لوگ دنیاوی اعتبار سے، مالی اعتبار سے حرص کا شکار ہوئے جارہے ہیں اور اپنے پروردگار سے دور ہوتے جارہے ہیں"۔

مذکورہ بالا روایت سے دو باتیں واضح ہوئیں:

اول: یہ کہ مال کی حرص علامات قیامت میں سے ہے۔

دوم: یہ طمع اور یہ حرص اللہ رب العزت سے دوری کا سبب بنتی ہے۔

یہاں یہ بحث نہیں ہے کہ یہ مالی حرص حلال کی بنیاد پر ہے یا حرام کی بنیاد پر ۔اگر حرام کی بنیاد پر ہے تو پھر یہ انسان انتہائی ترس کھائے جانے کے قابل ہے۔ خواہ وہ انڈسٹریوں اور بڑی بڑی کمپنیوں کا مالک ہو لیکن رحم کے قابل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ حَرَامٍ

المعجم الکبیر للطبرانی: حدیث نمبر 309

’’جو انسان کا گوشت رزق حرام سے بنتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا‘‘۔ اور ایک حدیث میں فرمایا:

اللحم الَّذِي نَبَتَ مِنْ حَرَام فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ

’’جو گوشت رزق حرام سے بنتا ہے اس کی حق دار جہنم کی آگ ہے‘‘۔ حرص اگر حرام کی اساس پر ہے تو یہ انسان کے لئے تباہ کن ہے۔ لیکن اگر حلال کی اساس پر ہے تو پھر بھی معیوب ہے۔ صحیح بخاری[2] میں حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین بطور قاصد بھیجا تا کہ وہ وہاں سے جزیہ کا مال وصول کر کے لائیں۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ گئے اور مال لے کر آئے جس وقت مدینے میں پہنچے رات کا وقت تھا اور صحابہ کو ان کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی، فجر میں لوگ دور دور سے نماز میں شریک ہوئے جب پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور پیچھے دیکھا اور دیکھا کہ دور دور سے صحابہ آئے ہوئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَلَّكُمْ سَمِعْتُمْ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ

’’شاید تم نے سن لیا ہے کہ ابو عبیدہ بحرین سے مال لے کر آ گئے ہیں اور اس کی تقسیم ہو گی‘‘۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَبْشِرُوا، وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُم

تم خوش ہو جاؤ اور وہ امید لیکر یہاں بیٹھو جو تمہیں خوش کر دے گی، یہاں بخل نہیں ہے یہ مال تم میں تقسیم ہو گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللهِ مَا الفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُم، وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُم أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُم، كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَن كَانَ قَبْلَكُمْ

''مجھے تمہارے بارے میں اندیشہ فقر نہیں ہے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے بلکہ مجھے تم پر اندیشہ یہ ہے کہ یہ دنیا تم پر کشادہ کر دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فراخ کر دی گئی تھی''

فَتَنَافَسُوهَا كماتَنَافَسُوهَا

''اور تم بھی اس دنیا میں راغب ہو جاؤ گے جیسا کہ تم سے پہلے اس میں راغب ہوئے تھے''۔

فتُهْلِكَكم كماأَهْلَكَتهُم

''اور یہ دنیا کی رغبت اور یہ حرص اور یہ لالچ تمہیں بھی برباد کر دے گی جیسا کہ ان کو برباد کر چکی تھی جیسا کہ سابقہ لوگوں کو دنیا نے برباد کیا اس فراوانی اور مال کے حرص نے''۔ کہیں یہ تمہارے اندر یہ مرض پیدا نہ ہو جائے اشارہ امت محمدیہ کی طرف ہے ورنہ صحابہ کرام اس قسم کے حرص سے بالکل پاک تھے جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں کبھی یہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا، کہ دنیا کی محبت بھی کوئی چیز ہے اصل محبت تو پروردگار کی اور دار آخرت کی ہے، دنیا کی محبت، دنیا کے مال کی محبت میرا دل نہیں مانتا تھا مگر جب قرآن کی آیت اتری

﴿مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا﴾

آل عمران:152

اس آیت کے نزول کے بعد مجھے یہ ماننا پڑا کہ دنیا کی محبت بھی کچھ دلوں میں ہوتی ہے۔[3] مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس چیز سے مبرا تھے ان کا تعلق صرف اپنے پروردگار کے ساتھ تھا، محبت صرف اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور وہ حصول آخرت کے لئے محنت کرتے تھے دنیا کی قطعاً کوئی حرص

نہ ہوتی تھی۔ ایک صحابی میدانِ جہاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے فتح ہوئی مال غنیمت حاصل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کا حصہ دیا کہ تم یہ لے لو اس نے کہا:

ما اتبعتك لهذا وإنما اتبعتك لكي أُرمى هاهنا في سبيل اللّٰہ و أشار إلى عنقه

سنن النسائی: کتاب الجنائز، الصلاۃ علی الشھداء 1953

''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس دنیا کے مال کی خاطر آپ کی اتباع نہیں کی میرا تو ایک ہی ہدف ہے کہ آپ کے ساتھ کسی جہاد میں یہاں تیر لگے اور شہید ہو جاؤں، شہادت کا تمغہ اپنے سینے سے سجا لوں۔''
تو اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے ایک معرکے میں یہ صحابی شریک تھا اور شہید ہو گیا اور واقعی دیکھا گیا کہ تیر وہیں پیوست تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ اب جو اس نے بات کہی تھی کہ میں دنیا کے مال کی خاطر آپ کی اتباع اختیار نہیں کئے ہوئے بلکہ میرا مقصد تو شہادت کی موت ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ گھر کا کھاتا پیتا ہو اسے مال کی حاجت ہی نہ ہو لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا مال دیکھو، سامان دیکھو کوئی کفن کی چادر ہے یا نہیں؟ جب اس کا سامان دیکھا گیا تو کفن کی کوئی چادر بھی نہ نکلی ایک چھوٹی سی چادر تھی کہ سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ پھر پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک عطا فرمائی کہ میرے اس صحابی کو اس میں کفن دے دو۔''[4] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا اعجاز تھا ، حرص اور دنیا کی طمع نہیں تھی مگر پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ جوں جوں دنیا آگے بڑھے گی لوگ دنیا کے اعتبار سے حرص میں گرفتار ہوں گے اور اپنے پروردگار سے دور ہوتے جائیں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝

التکاثر: 1–8

تمہیں کثرت مال واولاد کی طلب نے تباہ وبرباد کر دیا ہے حتی کہ تم قبر میں پہنچ گئے اور قبر میں پہنچنا قیامت کا وقوع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من مات فقد قامت قیامته"

یعنی جو شخص مرتا ہے اس کی قیامت اسی وقت قائم ہو جاتی ہے۔

لہٰذا حرص اور کثرت کی طلب یقیناً خطرناک ہو سکتی ہے ہمیں اپنے شب وروز میں اپنی اس دنیا کی زندگی میں اس معاملے پر توجہ دینی چاہئے اور خوب سوچ وبچار کرنا چاہئے۔

جامع ترمذی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

"وإن لكل أمة فتنة وإن فتنة أمتي المال"

' 'ہر امت کا ایک فتنہ ہے اللہ تعالی نے ہر امت کو کسی نہ کسی چیز کیلئے آزمایا۔ میری امت کا فتنہ مال ہوگا۔]" 5[

اللہ رب العزت اس امت کا امتحان لے گا مال کے ساتھ۔ کسی کو مال سے محروم کر کے اور کسی کو مال کی فراوانی دیکر دونوں امتحان ہیں اور اللہ رب العزت اس مال کو میری امت کا فتنہ بنائے گا، آزمائش کی چیز بنائے گا تبھی تو سب سے بڑا فتنہ ،اس امت کی سب سے بڑی آزمائش فتنہ دجال ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ

وسلم کی حدیث ہے کہ "خلق آدم سے لیکر قیامت تک کی آخری دیواروں تک سب سے بڑا فتنہ دجال کا فتنہ ہے اس سے بڑا فتنہ کوئی نہیں۔"[6] اس فتنے کی یلغار کس راستے سے ہوگی؟ فتنہ دجال اتنا خطرناک کیوں ہے؟ یہ آزمائش اتنی شدید کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس فتنے کی جو بنیادیں ہیں اور جو اساسیں ہیں وہ مال ہی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے2: "دجال کی آمد سے قبل جو تین سال ہوں گے ۔وہ تین سال اقتصادی اعتبار سے انتہائی تنگی کے سال ہوں گے فرمایا:

"تحبس السماء ثلث قطرها والأرض ثلث نباتها"۔

ان پہلے تین سالوں میں سے پہلے سال آسمان اپنی ایک تہائی بارش روک لے گا اور زمین اپنی ایک تہائی فصل روک لے گی۔ دوسرے سال میں آسمان اپنی دو تہائی بارش روک لے گا۔ اور زمین اپنی دو تہائی فصل روک لے گی۔ اور تیسرے سال آسمان اپنی پوری بارش روک لے گا۔ ایک قطرہ بھی نہیں برسے گا جبکہ زمین اپنی پوری فصل یہ پھل اور یہ سبزیاں اور یہ اناج یہ سب روک لے گی اور ایک دانہ بھی پیدا نہیں ہوگا۔ یہ تین سال دجال کی آمد سے قبل، اور اس کا ظہور بھی علی جہل الناس ہوگا لوگوں کی جہالت عام ہوگی اور یہ اقتصادی مار الگ۔ اور دجال جب آئے گا تو اشاروں سے بارش برسائے گا، اشاروں سے فصلیں اگائے گا اور لوگوں کے امتحان کے لئے اس کے ساتھ ایک عجیب اقتصادی طاقت ہوگی۔ دجال ایک کڑی آزمائش اس لئے ہے کہ وہ فتنہ مال لے کر آئے گا یوں بندوں کا امتحان ہوگا اور بہت بندے اس میں ناکام ہوں گے۔ حالانکہ ناکامی کی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے دجال کی دو علامتیں نوٹ کر لو۔ ایک یہ کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا دوسرا اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا[7]۔ تو یہ دو چیزیں کسی

استدلال یا بحث کی محتاج نہیں یہ تو سامنے دکھائی دے رہیں ہوں گی۔ ایک آنکھ سے کانا سامنے دکھائی دے رہا ہوگا اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا لیکن پھر بھی زیادہ لوگ اس کے حلقے میں شامل ہو جائیں گے۔ اور بہت کم لوگ ہوں گے جو اس فتنے سے بچ سکیں گے۔ اسی فتنہ مال سے وہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ لوگ اس کے حلقے میں شامل ہوں گے۔

پھر کیوں ہم اس مال کی حرص لیکر بیٹھے ہیں؟ جو سراسر ہمارے لئے ایک آزمائش ہے۔ اور جوں جوں یہ حرص بڑھے گی، توں توں یہ چیز علامات قیامت میں داخل ہوتی جائے گی، اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قیامت کی علامتوں میں ذکر کیا ہے۔ کہ مال کا کسب، مال کا خرچ اور مال کی محبت، یہ سارے امور اور مال کے تعلق سے فخر کرنا اترانا ان سارے امور کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ حدیث جبرئیل جس میں ہمارے سامنے دین اسلام کے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں جبریل امین کا ایک سوال یہ تھا کہ

"متی الساعة یارسول اللہ"

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتایئے قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ اس قیامت کا علم جتنا تجھے ہے مجھے اس سے زیادہ نہیں ہے۔ تو جبرئیل امین نے سوال کیا:

" فاخبرنی عن أماراتها؟"

تو پھر قیامت کی نشانیاں بتا دیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نشانیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

ان تلد الأمة ربتها و أن ترى الحفاة العراة الرعاء الشاء يتطاولون في البنيان

صحیح بخاری: کتاب الإیمان: حدیث: 49 و مسلم، حدیث نمبر 100

قیامت کی علامتیں یہ ہیں کہ لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی۔ اشارہ لونڈیوں کی کثرت کی طرف ہے اور یہ بھی ایک مال کی کثرت کی بنیاد ہے حتی کہ جو اولاد پیدا ہو گی وہ اس لونڈی کی ظاہر ہے کہ مالکن ہی ہو گی کیونکہ جس عمل کے نتیجے میں وہ اولاد پیدا ہو رہی ہے وہ لونڈی کا سردار اور لونڈی کا آقا ہے۔ تو کثرت مال کی یہ ایک نشاندہی کی ۔ دوسری چیز آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ تم دیکھو گے بکریوں کے چرواہے اور ننگے پاؤں گھومنے والے بڑی بڑی بلڈنگیں بنا کے فخر کریں گے تو ان کے فخر واترانے کا سبب جو ہے یہی دنیا کا مال ہو گا۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

الحجرات:13

جو اللہ کے نزدیک تکریم کی اساس ہے وہ تقوی اور پرہیزگاری اور تعلق باللہ ہے اس کو فراموش کر دیں گے اور یہ بلند وبالا عمارتیں، یہ ان کا فخر ومباھات کا سبب بن جائے گا۔ حتی کہ بعض لوگوں کا یہ فخر مساجد کے ساتھ بھی مربوط ہو گا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ

سنن نسائی، سنن ابن ماجۃ: باب تشید المساجد، حدیث نمبر 739، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک یہ حالات پیدا نہ ہو جائیں کہ لوگ مساجد میں فخر کریں۔ کہ میری مسجد کا مینار سب سے اونچا ہے اور میری مسجد میں زیادہ ملمع سازی ہے اور فلاں کی مسجد میں کم ہے ان چیزوں کو ذکر کر کے مساجد جو عبادت کے مراکز ہیں جہاں سادگی مطلوب

ہے لوگ اس میں فخر کریں گے اور یہ فخر بھی اس مال سے محبت کی بنیاد پر ہے۔ اور یہ چیزیں قیامت کے وقوع کی خبر دیں گی۔

عابس الغفاری رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں جسے امام طبرانی نے معجم الکبیر[8] میں صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" بادروا بالاعمال ستا"۔

چھ چیزوں کے پیدا ہونے سے پہلے عمل کر لو قبل اس کے کہ چھ چیزیں پیدا ہوں۔

"(1)إمارة السفهاء"

بے وقوفوں کی امارت اور حکومت یعنی بے وقوف تم پر حاکم ہوں گے جن کی کوئی رائے نہیں اور جن کے پاس کوئی شرعی تعقل اور تدبر کی بنیاد نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُونَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعٍ

ترمذی: کتاب الفتن، باب ماجاء فی اشراط الساعۃ، حدیث نمبر:90

ان الفاظ کا سادہ سا ترجمہ یہ ہے کہ "اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک دنیا کا اقتدار ایک ایسے شخص کو نہ مل جائے جو کمینہ ابن کمینہ ہو"۔

"(2)وكثرة الشرطة"

یعنی "زیادہ پولیس"۔ زیادہ پولیس کا معنی ہے زیادہ جرائم۔ جب جرائم زیادہ ہوں گے تو اس کے سدباب کیلئے زیادہ پولیس ہو گی۔ دیکھیں! امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جنہوں نے قیصر و کسری کی کمر توڑی، قیصر کے سرکاری لوگ مدینہ آئے کہ دیکھیں اس فاتح قیصر کی شان کیا ہے؟ مدینہ پہنچے اور پوچھا امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ اتفاق سے آپ وہیں ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے اکیلے نہ

کوئی چوکیدار ہے، نہ کوئی پہریدار ہے نہ کوئی محافظ!۔ آج تو ایک حاکم حرکت کرتا ہے تو تقریباً دس ہزار پولیس حرکت میں آتی ہے۔ پولیس کا زیادہ ہونا ان نااہلوں کی بناء پر ہے۔ امیر المؤمنین تن تنہا سو رہے ہیں، آدھی دنیا کے فاتح۔ پولیس کا زیادہ ہونے کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ سلاطین کا اسکواڈ بڑھ جائے گا جو جگہ جگہ ان کی نگرانی میں چکر لگائیں گے، فرمایا کہ یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے۔

"(3)بیع الحکم"

کہ ایسے قاضی اور جج پیدا ہوں گے جو اپنے فیصلوں کو بیچیں گے یعنی رشوت کا بازار گرم ہوگا۔ وکیل پیسہ کھرا کرنے کے لئے کیس لینے کے لئے جھوٹ پر جھوٹ بولیں گے اور جج رشوت لینے کے لئے انصاف بیچیں گے فرمایا کہ اس وقت کے آنے سے پہلے جب ایسے جج پیدا ہوں جن کے فیصلے ظلم رشوت پر مبنی ہوں اچھے عمل کر لو۔ عدل وانصاف بک گیا تو کیا خیر و برکت ہوگی؟ کیونکہ آسمان وزمین کا توازن تو عدل پر قائم ہے جب معاملہ ظلم پر پہنچ جائے گا اور یہ نوبت آجائے گی پھر تمہاری حالت اور کیفیت کیا ہوگی؟ اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے تم عبادت کر لو اور عمل صالح کر لو۔

"(4)وقطیعۃ الرحم"۔

قطع رحمی بھی علامات قیامت میں سے ہے کہ جب دیکھو گے ہر گھر میں تقریباً رشتے داروں میں ایک فساد برپا ہو چکا ہے۔

"(5)نشع یتخذون القرآن مزامیر"۔

نوجوانوں کی ایک نئی نسل پیدا ہوگی جو قرآن کو باجا اور گانا بنائیں گے۔

"یقدمون أحدھم"۔

اور لوگ ان میں سے کسی ایک کو کھڑا کریں گے، آگے بڑھائیں گے۔

"لکي یغنیھم"

تا کہ وہ ان کو گا گا کر سنائے۔

"وإن كان أقلهم فقها"۔

حالانکہ وہ علمی اعتبار سے انتہائی کم ہو گا۔ اس کا کوئی مقام نہیں مگر اس کو آگے بڑھایا جائے گا۔ صرف اس کا ترنم سننے کیلئے اس کو آگے بڑھایا جائے گا فرمایا جب تم اس قسم کے نوجوان دیکھو تو یہ بھی علامات قیامت میں سے ہیں۔ یہ وہ علامتیں ہیں جن کا ہم بخوبی مشاہدہ کر رہے ہیں، اور ان سب کی بنیاد حبِ دنیا ہے۔

(6) اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی، جب تک عورتیں مردوں کے ساتھ تجارتوں میں شریک نہ ہوں۔ لوگ حرام چیزوں کے نام بدل کر اس کو حلال کر لیں گے شراب کا نام شربت اور نبیذ، رشوت ہدیہ بن جائے گی، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ہمارے سامنے ہی ہو رہا ہے، یہ علامات قیامت میں سے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اس زندگی میں غور و فکر کریں دنیا کے ساتھ تعلق ہو مگر ایک واجبی تعلق، فتنوں اور آزمائشوں کا دور ہے۔

عقبہ بن عامر نے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"ماالنجاة يارسول الله"!

اے اللہ کے رسول نجات کیسے ہو گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أمسك عليك لسانك"،

اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھنا،:

"وابك على خطيئتك"

اور اپنے گناہوں پر رونے بیٹھ جاؤ، اور:

"وليسعك بيتك"

اور کوشش کرو کہ تمہارے گھر کی چار دیواری تمہارے لئے کشادہ ہو۔"[9] اپنے گھر میں زیادہ محصور ہو جاؤ، اور باہر سے ایک واجبی تعلق ہونا چاہئے، لوگوں کے ساتھ، اہل

دنیا کے ساتھ، دنیاوی امور کے ساتھ وہ بھی انجام دو لیکن زیادہ وقت اپنے گھر میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے گناہوں پر روتے ہوئے، خلوت میں غور و فکر کرتے ہوئے گذارو۔ اس کا سب سے اہم فائدہ یہ ہوگا کہ بچوں پر نگاہ رہے گی، ان کی تربیت کر سکو گے جو تمہاری ذمہ داری ہے جس کی بابت قیامت کے دن باز پرس ہو گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالداری پر فقر کو ترجیح دی، فرمایا:

ما أحب لي أن يجعل لي أحدا ذهبا

صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ، باب ارضاء السعادۃ حدیث نمبر:1408

"میں نہیں چاہتا کہ احد پہاڑ میرے لئے سونا بن جائے"۔ حالانکہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا، آپ چاہیں تو یہ پہاڑ آپ کے ساتھ سونے کے بن کر گھومیں پھریں۔ اگر یہ ہو بھی گیا تو میں تین دن کے اندر اندر یہ سونا اللہ کی راہ میں تقسیم کردونگا۔ ہاں! ایک دینار، دو دینار مجھے پتہ ہو کہ میرا کوئی ساتھی، کوئی بھائی مقروض ہے اور وہ یہاں موجود نہیں تو اس کے لئے دو دینار سنبھال کے رکھوں گا وہ آئے تو اس کو دوں تاکہ وہ قرضہ ادا کرے، پیارے پیغمبر کی زندگی، آپ کی معیشت کوئی سرمایہ داری اور سرمایہ کاری کی معیشت نہیں تھی، بلکہ فقر آپ کو پسند تھا، اور جس قدر فقر ہوگا اس قدر حساب میں آسانی ہو گی۔ نبی علیہ السلام کی حدیث بھی ہے کہ:

اطلعت في الجنة فرأيت أكثر أهلها الفقراء واطلعت في النار فرأيت أكثر أهلها النساء

صحیح بخاری: باب ما جاء في صفة الجنة حديث نمبر:324

میں نے جنت دیکھی جنت میں فقیر زیادہ تھے اور مالدار کم تھے، جہنم دیکھی عورتیں زیادہ تھیں اور مرد کم تھے"۔ یہ سب فقر کے فضائل ہیں، بجائے اس کے ہم بہت بڑھ

چڑھ کر دنیا کی فکر کریں، اور یہ حرص و طمع لے بیٹھیں، اور آخرت کے معاملے کو فراموش کردیں۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (1) حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ)2(

التکاثر: 1–2

اس کثرت مال کی طلب نے تمہیں ایسا غافل کیا، کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَادِيَانِ، وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ

صحیح بخاری: باب مایتقی من فتنة المال حدیث نمبر: 6439

''ابن آدم کو اگر سونے کی دو وادیاں دیدی جائیں، تو قناعت کی بجائے وہ تیسری وادی کے حصول کی فکر کرے گا'' حالانکہ زندگی میں قناعت ہونی چاہئے۔ اس امت میں عیسیٰ علیہ السلام کا دور مال کا ہوگا مگر قناعت کے ساتھ اس کا استعمال ہوگا، پیغمبر علیہ السلام کی حدیث ہے میرا اس پر ایمان ہے کہ ایک انار ایک خاندان کے لئے کافی ہوگا برکت بھی ہے، قناعت بھی۔ اسی انار کا چھلکا اس خاندان کا خیمہ بن سکے گا، برکت بھی ہے اور قناعت بھی ہے، مگر یہ کیا معاملہ ہے کہ انسان کو دو وادیاں سونے کی مل گئیں ہیں، مگر صبر و شکر کی بجائے تیسری وادی کے حصول کی کوشش کرے، دو انڈسٹریاں لگ چکی ہیں، تیسری بھی ہونی چاہئے فرمایا کہ یہ تم کو اتنا غافل کردے گی یہاں تک کہ تم قبر میں پہنچ جاؤ گے، فرمایا کہ اچانک موت اپنے پنجے تمہارے سینے میں گاڑھ دے گی۔ ابن آدم کے پیٹ کو تو قبر کی مٹی ہی بھرے گی یہ دنیا کا مال اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم امور آخرت کی طرف توجہ دیں دنیا کے ہجوم مشاغل میں ضرور ہماری نظر ہو، ہماری نگاہ ہو، اصلاح کا کام کریں، تکسب بھی ہو، لیکن زیادہ تعلق باللہ ہو، اپنی آخرت کو سنوارنے کے

لئے، دنیا تو دارِ فانی ہے، عمر انتہائی تھوڑی ہے۔60 سال کی 70 سال کی 80 سال کی اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے؟ مگر آخرت دارِ ابدی ہے، ہمیشہ قائم رہنے والی، وہاں اگر خسارے کا معاملہ ہو گیا تو بہت ہی خطرناک ہو گا، پیغمبر علیہ السلام کا فرمان ہے:

المكثرون هم المقلون

صحیح بخاری: باب المخسرون هم المقلون، حدیث نمبر: 1206

زیادہ مال و دولت والے قیامت کے دن انتہائی قحط کا کا شکار ہوں گے" اور ایک حدیث میں:

"هم الأخسرون"

کے الفاظ ہیں، بڑے گھاٹے میں ہوں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

إلتقى المؤمنان على باب الجنة فلقيه الفقير فقال: يا أخي ماذا حبسك؟ والله لقد احبست حتى خفت عليك، فيقول أي أخي! إني حبست بعدك محبسا فظيعا كريها، ما وصلت إليك حتى سال مني العرق ما لو ورده ألف بعير كلها أكلت جميعا لصدرت عنه راوية۔"2

دو انسانوں کو اکٹھا جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ ایک دنیا میں مالدار تھا، دوسرا فقیر تھا، دونوں جا رہے ہیں بخوشی جا رہے ہیں، جو فقیر ہے، جنت میں داخل ہو جائے گا اور مالدار کو روک دیا جائے گا جنت میں داخل ہونے والا غریب، اپنے دوست کو تلاش کرے گا وہ اس کو دکھائی نہیں دے گا بالآخر وہ تقریباً 500 سال کے بعد جنت میں داخل ہو گا، اس فقیر بھائی نے پوچھا تم کہاں تھے؟ وہ جواب دے گا کہ:

"حبست بعدك، محبسا كريها فظيعا"

تمہیں داخل کر دیا گیا، مجھے روک دیا گیا، اور بڑا برا روکا گیا، مجھے ایک مقام پر کھڑا کر دیا گیا، میرا پسینہ بہنا شروع ہو گیا، اس قدر پسینہ بہا کہ سو اونٹ اگر اس پسینے پر وارد ہوتے تو سارے کے سارے سیراب ہو کر لوٹتے۔

لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں فرمایا کہ "زیادہ سرمایہ دار قیامت کے دن خسارے میں ہوں گے اور قلت کا اور قحط کا شکار ہوں گے سوائے اس سرمائے دار کے آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ جو اس طرح کرے مال کو راہ حق میں لٹا دے اس مال کا حق ادا کرے تو یہ مال اس کے لئے بہت زیادہ عافیت اور کامیابی کا سبب بن جائے گا"۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تقریبا سات مواقع پر نبی علیہ السلام نے انفاق مال کی بنا پر جنت کی بشارت دی۔ اور ہم دنیا میں اپنے اعمال میں اور آخرت اور دنیا کے اعمال میں ایک توازن اور اعتدال پیدا کریں۔ اور دنیا سے محض ایک واجبی سا تعلق ہو۔ جیا اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے اور صحابہ کرام، سلف صالحین کی سیرت سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ اور اصل محنت آخرت کے حصول اپنے پروردگار سے تعلق قائم کرنے کے لئے ہو، تقوی کی صورت میں ہو۔ اللہ تعالی ہمیں اس کی توفیق عطا فرما دے۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

[1]مستدرک حاکم: کتاب الرقاق، حدیث نمبر38914

[2] صحيح البخاري: باب الجزية والموادعة حدیث نمبر3158

[3]تفسیر طبری: ص8035-8038

[4]مستدرک حاکم:3/688

[5]جامع الترمذی: کتاب الشھادات: حدیث نمبر:2221

[6]سنن ابن ماجة: کتاب الفتن: حدیث نمبر:2957ایضا

[7] صحیح بخاری: کتاب الفتن، حدیث:2018

[8]معجم الکبیر: حدیث نمبر:60

[9]ترمذی: باب ماجاء حفظ اللسان، حدیث نمبر:2406

(8) تخلیقِ انسانی کے مراحل

فضیلۃ الشیخ علامہ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روشنی میں:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: "حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق: إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوما نطفة، ثم يكون علقة مثل ذلك، ثم يكون مضغة مثل ذلك، ثم يرسل إليه الملك فينفخ فيه الروح، ويؤمر بأربع كلمات: بكتب رزقه وأجله وعمله وشقي أو سعيد. فوالله الذي لا إله غيره إن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل النار فيدخلها، وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة فيدخلها"

ترجمہ: "سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ جو صادق و مصدوق ہیں نے بیان فرمایا: تم میں سے ہر شخص کی خلقت، اس کی ماں کے پیٹ میں نطفہ کی صورت میں چالیس دن جمع کی جاتی ہے، پھر وہ اتنی ہی مدت جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر اتنا ہی عرصہ کیلئے گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے، پھر اس کی طرف فرشتہ کو بھیجا جاتا ہے جو اس کے اندر روح پھونک دیتا ہے، فرشتہ کو چار کلمات کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ وہ اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور اس کا شقی (بدبخت) یا سعید (نیک بخت) ہونا لکھ دیتا ہے، اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے، تم میں سے کوئی شخص جنت والے کام کرتا رہتا ہے، حتی کہ اس کے اور جنت کے مابین ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس کی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جہنم والا کوئی عمل انجام دے کر جہنم کا لقمہ بن جاتا ہے، اور تم میں سے کوئی شخص جہنم والے عمل کرتا ہے، حتی کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس کی تقدیر

اس پر غالب آتی ہے اور وہ جنت والا عمل کر کے، جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔]"1[

شرحِ حدیث

اس حدیث کے راوی، فقیہ الامت، ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے، آپ ﷺ کو 'الصادق المصدوق' کہا ہے۔ صادق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سچی خبر دے اور سچی بات کہے، جبکہ مصدوق وہ شخص کہلاتا ہے جسے صرف سچی خبریں یا باتیں بتلائی جائیں، اور وہ ان سچی خبروں یا باتوں کو بصدقِ تمام آگے پہنچا دے۔

رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود صادق تھے، آپ کے اس وصف کی پوری قوم، آپ ﷺ کے رسول بننے سے پہلے بھی معترف تھی۔

رسول اللہ ﷺ کا مصدوق ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ مخبَر بالصدق ہیں، یعنی آپ ﷺ کو سچی باتیں بتائی جاتی ہیں، اس سے مراد وحیٔ الٰہی ہے، اس لحاظ سے آپ مصدوق ہیں، اور چونکہ آپ ﷺ بتمام صدق وامانت سے اس وحی کو آگے پہنچانے والے ہیں لہٰذا آپ ﷺ صادق بھی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی روایت سے قبل رسول اللہ ﷺ کو 'الصادق المصدوق' کیوں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث چند امورِ غیبیہ پر مشتمل ہے، ان امور کا تعلق انسانی تخلیق کے مختلف مراحل سے ہے جن کا کوئی مشاہدہ نہیں کر سکتا، ان امور کی معرفت طریقِ وحی سے ہی ممکن ہے، خاص طور پہ رسول اللہ ﷺ جس دور میں مبعوث ہوئے اس میں، آج کے دور کے برعکس طبی یا سائنسی ترقی معدوم تھی، اس دور میں انسانی تخلیق کے ان ادوار و مراحل کی خبر دینا، آپ ﷺ کی نبوت کے صدق و حقانیت کا زبردست ثبوت تھا، اس بات کی دلیل تھا کہ آپ ﷺ

ناطقِ وحی ہیں، کیونکہ ان امور کی معرفت، مقدورِ بشریت سے انتہائی بعید ہے، لہٰذا آپ ﷺ کا یہ خبریں بیان فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی اساس اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔

بلکہ اس حدیث میں چند ایسے امورِ غیبیہ کا ذکر بھی ہے جن تک آج کے دور کی طب اور سائنس کی بھی رسائی نہیں ہے، اور وہ فرشتوں کا ہر پیدا ہونے والے شخص کیلئے چار چیزوں کا لکھنا: اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور اس کا شقی (بدبخت) یا سعید (نیک بخت) ہونا۔

سائنس اگرچہ ایسے آلات ایجاد کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے، جن کی مدد سے شکمِ مادر میں پلنے والے بچے کے احوال و تغیرات منکشف ہو سکتے ہیں، لیکن یہ سائنس جتنی بھی ترقی کر جائے مذکورہ بالا چار چیزوں کی دھول بھی نہیں پا سکتی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس حدیث کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ کو 'صادق مصدوق' کہنا، ان کی ذہانت و فقاہت کی زبردست دلیل ہے، اور مضمونِ حدیث کے عین مطابق ہے۔

'وھو الصادق المصدوق' یہ جملہ، ماقبل جملے (رسول اللہ) کی تاکید ہے کیونکہ جو شخص آپ ﷺ کو رسول اللہ مانتا ہے، اسے الصادق المصدوق بھی ماننا پڑے گا، ورنہ اس کا ایمان بالرسول ناقابل قبول ہے، اسی لئے کلمہ 'لا الٰہ الا اللہ' کی صحت و قبولیت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کلمے کا نطق اور اقرار و اعتراف ایسے صدق کے ساتھ ہو جس میں کذب کی کوئی گنجائش نہ ہو، لہٰذا جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے آمدہ ہر خبر اور فرمان کو سچا جاننا ہوگا۔

قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

المائدۃ-119

ترجمہ:"اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابد الآباد ان میں بستے رہیں گے اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔"

اس حدیث میں انسانی خلقت کے تین اطوار کا ذکر ہے:

(1)نطفہ(2)علقہ(3)مضغہ

نطفہ کے جمع کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اور عورت کا نطفہ جو متفرق تھا، اسے رحمِ مادر میں جمع کیا جاتا ہے، جس سے انسان کی تخلیق کا آغاز ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ

الطارق-7/5

ترجمہ:"تو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کاہے سے پیدا ہوا ہے، وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے، جو (مرد کی) پیٹھ اور (عورت کے) سینے کے بیچ میں سے نکلتا ہے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿٢١﴾ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ

المرسلات-23/20

ترجمہ: ”کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا، ایک وقت معین تک، پھر اندازہ مقرر کیا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں۔“

واضح ہو کہ اس حدیث میں جو نطفہ کے جمع ہونے کو خلقِ انسان کا پہلا مرحلہ قرار دیا گیا ہے تو اس نطفہ سے مراد وہ نطفہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کسی انسان کے پیدا ہونے کا فیصلہ فرمائے، ہر نطفہ خلقِ انسان کی بنیاد نہیں بن سکتا، صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے:

'ما من كل الماء يكون الولد وإذا أراد الله خلق شئ لم يمنعه شئ'

یعنی: ”ہر منی سے بچہ نہیں بنتا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔] "2[

بلکہ یہ سارا معاملہ اور نظام اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر موقوف ہے۔

تخلیق انسان کا دوسرا مرحلہ علقہ ہے

علقہ سے مراد گاڑھا جما ہوا خون، جبکہ تیسرا مرحلہ مضغہ ہے، مضغہ سے مراد گوشت کی بوٹی جو چبائے جانے کے قابل ہو۔

تخلیقِ انسانی کے ان تین مراحل میں سے ہر مرحلہ کی مدت چالیس دن ہے، گویا ان تینوں مراحل کی مجموعی مدت چار مہینے یا 120 دن بنتی ہے۔

قرآن پاک میں جابجا ان مراحل کا ذکر وارد ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ

الحج-5

ترجمہ: ”لوگو اگر تم کو مرنے کے بعد جی اُٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتدا میں) مٹی سے پھر اس سے نطفہ بنا کر۔ پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر۔ پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں۔ اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو۔ اور بعض (قبل از پیری مر جاتے ہیں اور بعض شیخ فانی ہو جاتے اور بڑھاپے کی) نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں۔“

نیز سورۃ المؤمنون میں فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ

المؤمنون-14/12

ترجمہ: ”اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے، پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔ پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔“

واضح ہو کہ تخلیقِ انسان کے حوالے سے ان تینوں ادوار و اطوار کی خبر رسول کریم ﷺ نے دی، جو کہ آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔ کما تقدم

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ جو کہ پوری کائنات کا خالق ومالک ہے کی قدرت اور حسنِ صنعت کی بھی واضح برہان ہے، وہ اکیلا ہی خالق وبارئ ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس علم ومعرفت کے بعد، اسی کی عبادت بجالائی جائے اور اس عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے؛ کیونکہ خلق میں کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے، بلکہ تخلیق کے مذکورہ مراحل میں سے کسی مرحلے کے کسی حصہ میں بھی کسی کی شراکت شامل نہیں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

البقرۃ-21

ترجمہ: "لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔"

تخلیقِ انسانی کا اگلا مرحلہ، فرشتہ کی بعثت اور اس کے ذریعہ نفخِ روح کا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق، اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے، فرشتہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجنے سے آتا ہے۔ فرشتہ کا پہلا کام نفخِ روح ہے، یعنی وہ اس گوشت کے لوتھڑے میں روح پھونکتا ہے، جس سے اس مردہ لوتھڑے میں جان پڑ جاتی ہے، اور وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہر انسان کی دو زندگیوں اور دو موتوں کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ ایک مقام پر کفار کا قول مذکور ہے:

قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

غافر-11

ترجمہ: "وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی۔"

پہلی موت سے مراد نفخِ روح سے قبل کا مرحلہ ہے، جبکہ پہلی زندگی نفخِ روح کے بعد شروع ہوتی ہے اور دنیوی زندگی کے خاتمہ تک قائم رہتی ہے۔ دوسری موت دنیوی زندگی کے خاتمے سے لیکر قیامت کے قائم ہونے تک ہے، لیکن یہ موت برزخی حیات کے منافی نہیں ہے؛ کیونکہ برزخی حیات کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

دوسری زندگی قیامت کے قائم ہونے سے شروع ہوگی اور یہ دائمی زندگی ہوگی جس کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

البقرۃ-28

ترجمہ: ”(کافرو!) تم اللہ سے کیوں کر منکر ہو سکتے ہو جس حال میں کہ تم بے جان تھے تو اس نے تم کو جان بخشی پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“

روح پھونکنے کی کیفیت، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، چنانچہ اس کیفیت کے تعلق سے کسی بھی قسم کی بحث محض عبث ہوگی، ہمیں صرف اتنا علم دیا گیا ہے کہ فرشتہ گوشت کے لوتھڑے میں پھونک مارتا ہے جسے وہ جسم قبول کر لیتا ہے اور زندہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان موت یا عدم سے زندگی یا وجود کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ سے روح کی بابت سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ان سوال کرنے والوں کو صرف یہ بتا دو:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلاً

الاسراء-85

ترجمہ: ”اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔“

ثابت ہوا کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر یعنی شان سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا خالق ہے، فرمانِ باری تعالیٰ: [وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا] سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ انسانوں کو روح کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے، بلکہ اس فرمان میں کسی حد تک ڈانٹ ڈپٹ کا پہلو بھی ہے کہ تمہارے استفسار کیلئے صرف روح ہی باقی رہ گئی ہے؟ باقی تمام مسائل تم جان چکے ہو؟۔ روح کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے علم اور انسان کے علم میں فرق موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے، جب ان دونوں ہستیوں کے سامنے ایک پرندہ نے اپنی چونچ سے سمندر کا پانی پیا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا:

'ما نقص علمي وعلمك من علم الله إلا كما نقص هذا العصفور بمنقاره من البحر'

یعنی: ”میرے اور تمہارے (اور تمام مخلوقات) کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنا ہی حصہ کم کیا ہے جتنا اس پرندے کی چونچ میں موجود پانی نے سمندر سے۔“ گویا کوئی کمی پیدا نہیں کی۔][3]

'الأرواح جنود مجندة...'

میں یہ حقیقت واضح فرمادی کہ انسانوں کی روحیں، پیدا ہو کر عالم ارواح میں رکھی جا چکی ہیں جو کہ بیرکوں میں موجود فوجیوں کی مانند ہیں، جس طرح بیرکوں سے فوجی کسی مہم کی ادائیگی کیلئے روانہ ہوتے ہیں اور دوسرے فوجی کوئی مہم ادا کر کے واپس لوٹتے ہیں، اسی طرح فوت شدہ لوگوں کی روحیں واپس لوٹتی ہیں اور نئے پیدا ہونے والوں کی وہاں سے روانہ ہوتی ہیں۔][4]

معتزلہ ایک گمراہ فرقہ، جس کی بناء عقل پر ہے اور وہ خود ساختہ عقلی حقائق کو وحی الٰہی سے مقدم قرار دیتے ہیں، خلقِ ارواح کے نصوص کے منکر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ روح جسم میں مستقر ہوتی ہے، لہٰذا جسم کی تخلیق سے پہلے روح کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ وہ کہاں استقرار کرے گی؟

ہم کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر فرمان اور ہر خبر پر کسی شک وشبہ اور اعتراض کے بغیر ایمان لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو روحوں کا خالق ہے، انہیں اجسام کے بغیر رکھنے پر قادر ہے، نیز مقررہ وقت پر ہر روح کو اس کے جسم میں منتقل کرنے پر بھی۔

[إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ]

ماں کے پیٹ میں بننے والا بچہ، مذکر ہوگا یا مونث، یہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں سے ہے، لیکن نفخِ روح کے بعد فرشتے کو علم ہو جاتا ہے کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی، لہٰذا اب یہ علم غیب نہ رہا، لہٰذا اب سائنسی ایجادات کے ذریعہ اس بچے کے لڑکا یا لڑکی ہونے کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن نفخِ روح سے قبل نہ تو کسی فرشتے کو علم ہو سکتا ہے اور نہ ہی سائنسی آلات کی رسائی ممکن ہے کہ وہ اس کے مذکر یا مونث ہونے کا ادراک کر سکیں۔

نفخِ روح کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرشتے کو چار باتوں کا حکم ارشاد فرماتا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1) فرشتہ کو اس کا رزق لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، رزق سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے انسان انتفاع کرتا ہے، رزق کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ چیزیں جو انسان کے بدن کو قائم رکھتی ہیں، مثلاً: کھانا، پینا، لباس، گھر اور سواری وغیرہ، دوسرے وہ امور جو انسان کے دین کو قائم رکھتے ہیں، مثلاً: علم وایمان وغیرہ۔

حدیث میں رزق سے مراد دونوں امور ہیں۔
جس انسان کا جو رزق مقدر ہے اسے حاصل کئے بغیر اس کی موت واقع نہیں ہو سکتی، سنن ابن ماجہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مذکور ہے: فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا [5]
یعنی: کوئی "نفس اس وقت تک مر ہی نہیں سکتا جب تک اپنا لکھا ہوا پورا رزق حاصل نہ کر لے۔"
(1) فرشتہ کو اس انسان کے اَجل یعنی دنیا میں مدتِ بقاء لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، مدتِ بقاء یا عمر کے تعلق سے انسانوں میں یکسانیت یا برابری نہیں رکھی گئی، بلکہ اس تعلق سے انسانوں میں بڑا تفاوت و تباین ہے، کچھ لوگ تو ولادت کے وقت ہی مر جاتے ہیں اور کچھ کو مختصر اور کچھ کو طویل زندگی دی جاتی ہے۔
سابقہ امتوں کی عمریں بہت لمبی ہوا کرتی تھیں، جیسا کہ نوح علیہ السلام کا اپنی قوم میں 950 سال رہنے کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے۔
رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق اس امت کی عمریں 60 اور 70 سال کے مابین ہیں، اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ 70 کے عدد کو کم لوگ عبور کر سکیں گے۔ [6]
واضح ہو کہ عمروں کا چھوٹا، بڑا ہونا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر اور مشیئت سے ہے، نہ ہی عمروں کا فیصلہ کسی انسان کی ظاہری صحت یا مرض سے کیا جا سکتا ہے، کتنے ہی مریض سالہا سال بستر مرگ پر ایڑھیاں رگڑتے رہ جاتے ہیں اور کتنے ہی صحتمند لوگ اچانک کسی حادثہ کی نذر ہو جاتے ہیں، لہٰذا تمام آجال کی تقدیر صرف اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے، جب اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا تو ایک لحظہ کی تاخیر کے بغیر موت واقع

ہو جائے گی، جبکہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ایک لحظہ کی تقدیم بھی ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ

الاعراف-34

ترجمہ: "اور ہر ایک گروہ کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی۔"

(3) فرشتہ کو اس انسان کا عمل، جو وہ زندگی بھر کرتا رہے گا، لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، عمل سے مراد ہر قسم کا عمل ہے، خواہ قولی ہو، عملی ہو یا قلبی۔

(4) چوتھی چیز جسے لکھنے کا فرشتہ کو حکم دیا جاتا ہے وہ بندے کا سعید یعنی نیک بخت ہونا یا شقی یعنی بدبخت ہونا ہے، سعید وہ ہے جس کیلئے اسبابِ سعادت و سرور کی تکمیل ہو جائے، جبکہ شقی انسان کا معاملہ اس سے برعکس ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیسری چیز یعنی عمل میں سعادت یا شقاوت دونوں چیزیں آسکتی ہیں، چنانچہ اگر اس کیلئے اعمالِ صالحہ لکھے جاتے ہیں تو یہ موجب سعادت ہے اور اگر اعمالِ سیئہ لکھے جاتے ہیں تو شقاوت کا باعث ہیں؟

جواب یہ ہے کہ سعادت یا شقاوت کا تعلق انسان کے خاتمہ سے ہے، بعض اوقات ایک شخص زندگی بھر عملِ صالح اختیار کئے رہتا ہے لیکن عین خاتمہ کے وقت کسی معصیت کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اور جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے، یہی اس کی شقاوت ہے، جبکہ بعض اوقات اعمالِ سیئہ کا مرتکب انسان، موت کے وقت توبہ یا عملِ صالح کی توفیق دے دیا جاتا ہے، اسی پر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور وہ جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

گویاہر انسان کے شقی یاسعید ہونے کافیصلہ اس کی موت کے وقت ہوتا ہے، اس تعلق سے انسانوں کے چار احوال ہیں:

(1) کچھ وہ لوگ ہیں جن کا آغاز عملِ صالح سے ہوتا ہے اور عملِ صالح پر ہی انجام ہوجاتا ہے، ان لوگوں کا تعلق اہل سعادت سے ہے۔

(2) کچھ وہ لوگ ہیں جن کا آغاز اور انجام دونوں برے عمل پر ہوتا ہے، یہ انسان سراسر شقی ہیں۔

(3) کچھ وہ لوگ ہیں جن کا آغاز برے اعمال سے ہوتا ہے، لیکن آگے چل کر توبہ کی توفیق دے دیئے جاتے ہیں، چنانچہ وہ عملِ صالح اختیار کرلیتے ہیں اور اسی پر ان کا انجام قائم ہوجاتا ہے، ان کا تعلق بھی اہل سعادت سے ہے۔(4) کچھ وہ لوگ ہیں جن کا آغازِ اُمر، عملِ صالح پر قائم ہوتا ہے، لیکن آگے چل کر بگڑ جاتے ہیں یا مرتد ہوجاتے ہیں اور اسی ارتداد پر ان کی موت واقع ہوجاتی ہے، (والعیاذ باللہ) ان کا تعلق اہل شقاوت سے ہے۔

آخری دونوں حالتوں کا ذکر حدیث الباب میں موجود ہے، جس کی مزید وضاحت کیلئے دو مثالیں پیش خدمت ہیں: (1) ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنگ میں شریک تھا، بڑی دادِ شجاعت دے رہا تھا، کوئی دشمن تنہا ملتا تو اسے ٹھکانے لگادیتا، جہاں دشمنوں کا کوئی جتھہ دیکھتا تو ان میں داخل ہوکر انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ دیتا تھا، صحابہ کرام نے اس کی اس بہادری پر تعجب کا اظہار کیا، کچھ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ایسی شجاعت ہم نے کبھی نہیں دیکھی، مگر ناطقِ وحی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'هو من اهل النار'

یہ شخص تو جہنمیوں میں سے ہے۔

صحابہ کرام پر یہ بات بڑی گراں گزری، بھلا یہ بہادر انسان کیسے جہنمی ہو سکتا ہے؟ ایک شخص اس کے تعاقب میں نکل گیا، اب یہ بہادر انسان دشمن کا ایک تیر کھا کر بڑی تکلیف محسوس کرنے لگا، جب تک تکلیف برداشت سے باہر ہو گئی تو اپنی تلوار نکالی، اس کا دستہ زمین سے ٹیک دیا اور اس کی نوک پر اس قدر جھول گیا کہ تلوار کمر سے باہر نکل گئی اور یوں خودکشی کر بیٹھا۔ (والعیاذ باللہ) یہ شخص سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: 'أشهد أنك رسول الله' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت یہ گواہی کیوں دے رہے ہو؟ اس شخص نے اس بہادر انسان کا پورا واقعہ بیان کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'إن الرجل ليعمل بعمل أهل الجنة فيما يبدو للناس وهو من أهل النار'

یعنی: "ایک شخص بظاہر جنت والے کام کرتا ہے لیکن درحقیقت وہ جہنمی ہوتا ہے۔"

(2) انصار کے قبیلے بنو عبد الأشہل میں اصیرم نامی ایک شخص دین اسلام کو مسلسل ٹھکراتا رہتا تھا بلکہ عداوت کا اظہار کیا کرتا تھا، جب صحابہ کرام جنگ احد کیلئے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن فرما دی، اس نے اسلام قبول کر لیا جس کا کسی کو علم نہ ہوا، یہ شخص جنگ احد میں شہید ہو گیا۔

معرکۂ احد کے بعد صحابہ کرام شہداء احد کا تفقد کرنے نکلے تو اسے بھی شدید زخمی حالت میں پایا، اس سے پوچھا: تم یہاں کیونکر آئے؟ کیا اپنی قوم کی غیرت وحمایت میں؟ یا اسلام کی رغبت وچاہت میں؟

اس نے جواب دیا: اسلام کی رغبت وچاہت میں۔

پھر اس نے کہا: نبی ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دینا، پھر اس کا انتقال ہو گیا۔[8]

اس شخص نے عمر بھر دین سے دشمنی قائم رکھی لیکن موت سے قبل اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی کایا پلٹ دی اور شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دیا۔

فرعون کے جادگروں کی مثال بھی دی جا سکتی ہے، جن کی پوری عمر کفر اور سحر میں گزری، لیکن خاتمہ سے قبل انہیں رب موسیٰ وہارون پر ایمان لانے کی توفیق مرحمت فرمادی گئی۔ اس کی ایک اور مثال رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک یہودی کے بیٹے سے دی جا سکتی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، اچانک بیمار پڑ گیا، رسول اللہ ﷺ اس کی تیمارداری کیلئے تشریف لے گئے، اسے مرض الموت میں پایا، اس پر اسلام کی دعوت پیش کی، جسے اس نے قبول کر لیا اور انتقال کر گیا، رسول اللہ ﷺ اس کے گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

'الحمد لله الذی أنقذه من النار'

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے، جس نے اسے جہنم سے نجات دے دی۔]9[

قرآن حکیم نے شقی اور سعید دونوں قسم کے انسانوں کا تذکرہ فرمایا ہے:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿١٠٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿١٠٦﴾ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٠٧﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ

هود-108/105

ترجمہ: "جس روز وہ آجائے گا تو کوئی متنفس اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہیں سکے گا۔ پھر ان میں سے کچھ بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت، تو جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں (ڈال دیئے جائیں گے) اس میں ان کا چلانا اور دھاڑنا ہوگا، (اور) جب تک

آسمان اور زمین ہیں، اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ اور جو نیک بخت ہوں گے وہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے (اور) جب تک آسمان اور زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے۔ یہ (اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہو گی۔"

واضح ہو کہ ہر انسان اپنے لئے سعادت یا شقاوت کا راستہ اپنی مرضی اور اختیار سے چنتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور ارادہ سے خارج نہیں ہے، لہٰذا ہر شخص مخیّر بھی ہے اور مسیّر بھی، مخیّر سے مراد یہ کہ وہ نیک یا بد راستہ چننے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزادی اور اختیار دیا گیا ہے، اور مسیّر سے مراد یہ ہے کہ وہ جو راستہ چنتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے مطابق ہوتا ہے، کوئی انسان ایسا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا جو اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے خلاف ہو۔

جب سعادت یا شقاوت کا تعلق انسان کے خاتمہ سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی ہے:

'إنما الأعمال بالخواتيم'

تو پھر ہر شخص کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ خوف اور رجاء دونوں کیفیتوں کے ساتھ رہے۔ شقاوت پہ مبنی خاتمہ کا مسلسل خوف اس کے دل میں موجود رہے اور اللہ تعالیٰ سے ایسے انجام کی پناہ مانگتا رہے، اسی طرح سعادت پر مبنی خاتمہ کی حرص و رغبت، ہمیشہ اس کے دل میں موجود رہے اور اللہ تعالیٰ سے اس حسنِ خاتمہ کی دعا کرتا رہے۔ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

'يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك'

" 'اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدمی عطا فرما۔"

جب ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس بابت استفسار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'إن القلوب بين إصبعين من أصابع الرحمن يقلبها كيف يشاء'

یعنی: "تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں، اللہ تعالیٰ جیسے چاہے ان دلوں کو پھیر دے۔]"10[

اس حدیث کا ایک اہم ترین درس یہ ہے کہ زندگی میں انسان کے ظاہری اعمال پر قطعاً حکم نہ لگایا جائے، کیونکہ ہر انسان کی سعادت یا شقاوت اس کے خاتمہ پر قائم ہے، لہٰذا ایک برائی میں لتھڑے ہوئے انسان کیلئے ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ توبہ اور عمل صالح پر ہو جائے، اور آپ اسے برا ہی کہتے رہیں، یہ آپ کیلئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو گا، لہٰذا ایسا حکم لگانے سے یکسر گریز کیا جائے جس کی زد میں خود آنے کا اندیشہ ہو۔ (واللہ المستعان)

[1] صحیح البخاری، کتاب الاحادیث الانبیاء، باب خلق آدم وذریتہ، حدیث:3332

[2] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل، حدیث:3554

[3] صحیح البخاری، کتاب الاحادیث الأنبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہ السلام، حدیث:3400

[4] صحیح البخاری، کتاب الاحادیث الأنبیاء، باب الارواح جنود مجنّدۃ، حدیث:3336

[5] سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الاقتصاد في طلب المعیشۃ، حدیث:2144

[6] جامع الترمذی، 233، کتاب الزھد عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء في فناء اعمار ھذہ الامۃ مابین ستین الی سبعین

[7] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث:4207

[8] سنن ابي داؤد، کتاب الجهاد، باب فيمن يسلم ويقتل في مکانه في سبيل الله عزوجل، حديث:2537

[9] صحيح البخاري، کتاب الجنائز، باب اذا سلم الصبي فمات هل يصلى عليه؟1356

[10] صحيح الترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء ان القلوب بين اصبعی الرحمن، حديث:2140

(9) نوجوان کسے کہتے ہیں؟

الشیخ حافظ محمد سفیان سیف حفظہ اللہ

کسی بھی معاشرے، جماعت یا قوم کے لئے نوجوان ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں، معاشرے کا انقلاب انہی کے دم سے وابستہ ہے۔ اگر کسی قوم کے نوجوان بگاڑ اور فساد کا شکار ہو جائیں تو پوری قوم تنزلی اور پستی کا شکار ہو جاتی ہے، لیکن اگر نوجوان صحیح سمت اختیار کریں تو پوری قوم ترقی کی منازل طے کرتی ہوئی دنیا و آخرت میں اپنا نام روشن کرتی ہے۔

اسلامی لغت کے اعتبار سے نوجوان سخت جان، سخت طبیعت اور پختہ عقل اور بردبار، عقلمند اور باشعور انسان کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں نوجوانوں کے لئے ہمیشہ لفظِ "اَشُدّہ" (سختی) کا استعمال کیا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

الاحقاف-15

’’اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔ اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو

جائے اور تو میری اولاد بھی صالح بنا، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ

الحج-5

" "لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے تو سوچو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔ یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں، اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں پھر تمہیں بچپن کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو۔"

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

الانعام-152

" "اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے۔"

ابتدائی تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے نوجوانی کو سختی کی عمر سے تعبیر کیا ہے۔ اور چوتھی آیت میں نوجوانی کو نکاح کی عمر اور بردباری سے تعبیر کیا ہے۔ جو کہ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ شرعی اعتبار سے نوجوانی یا جوانی کی عمر سخت اور کٹھن کام کرنے، نکاح کرنے اور بردباری اور فہم و بصیرت کی عمر ہے۔

ان آیاتِ مقدسہ کی روشنی میں مسلمان نوجوان ذرا اپنی جوانیوں کو دیکھیں کہ کیا ان کی جوانی واقعتاً کوئی سخت، محنت طلب اور کٹھن کام کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ اور کیا جوانی کے ساتھ ان کے پاس عقل و شعور اور فہم و بصیرت کی دولت بھی یا نہیں؟

مگر یہ انتہائی افسوس ناک صورتِ حال ہے کہ آج کے مسلمان نوجوان ان دونوں چیزوں سے یکسر خالی اور بے نیاز ہیں۔ آج کا مسلمان نوجوان انتہائی نازک مزاج، حساس طبیعت اور کمزور عقیدہ کا حامل اور اس قدر توہم پرست ہے کہ اس پر عورت ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ ذرا سی تکلیف اسے بے چین کر دیتی ہے، جب کوئی اس کے بارے میں کوئی بات کہے تو اس کی نازک مزاجی کو آبگینہ کی طرح ٹھیس پہنچتی ہے اور اس کی حساس طبیعت اسے دوسرے کے خلاف اپنے دل میں عداوت اور بغض رکھنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔

اور عقل و شعور اور فہم و بصیرت سے اس کی دوری کا یہ عالم ہے کہ جو بندہ جب چاہے لیڈر یا قائد کے رُوپ میں آکر اسے اپنے مخصوص مفادات کی خاطر استعمال کر لیتا ہے اور اس نوجوان کی تسلی و تشفی کے لئے چند دلکش اور خوبصورت نعرے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اس کے ہاتھ میں جھنڈے کی صورت میں تھما دیتا ہے، جس طرح کسی چھوٹے سے بیوقوف بچے کو جھوٹی اُمیدوں میں الجھایا جاتا اور اس کے ہاتھوں میں کھلونا دے کر اسے بہلایا جاتا ہے۔ اور پھر "راہنما" نوجوان کو اپنے مفادات کی بھینٹ چڑھا کر اسے اس طرح بھول جاتا ہے کہ گویا کبھی دنیا میں اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ اور پھر اس کی جگہ لینے والے کئی اور نوجوان موجود ہوتے ہیں۔

نوجوانی کا سب سے بڑا سرمایہ، دوستی اور دشمنی

جب انسان بلوغت تک پہنچتا ہے تو لازماً اُس کی ترجیحات و ترغیبات میں بہت زیادہ ردوبدل ہوتا ہے۔ کچھ نئی دوستیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ نئی دشمنیاں بھی۔ لیکن کیا کوئی مسلمان نوجوان ایسا بھی ہے جس نے دوستی اور دشمنی کے کچھ معیار بھی بنا رکھے ہوں کہ میرا دوست کون بنے اور میرا دشمن کون؟ حالانکہ اسلام نے ہر مسلمان کو وہ معیار بطورِ رہنمائی عطا کیا ہوا ہے، دیر صرف ہمارے قرآن و حدیث کو کھول کر پڑھنے کی ہے۔

دوستی اور دشمنی کا اسلامی معیار:

دینِ اسلام کا ہر معاملہ میں سب سے پہلا معیار اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے۔ یہی معاملہ دوستی اور دشمنی کا بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

’’جس نے اللہ کیلئے کسی سے محبت کی اور اللہ کیلئے کسی سے بغض رکھا، اللہ کیلئے کسی کو کچھ دیا اور اللہ کیلئے کسی کو دینے سے منع کیا تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔‘‘

(ابو داؤد: ح، 4061)

یعنی محبت، دوستی اور اتحاد، دشمنی، بغض اور نفرت کا اسلامی معیار ’ذاتی، انفرادی، اجتماعی، یا تنظیمی مفادات نہیں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

دوستی اور دشمنی کے دنیا و آخرت میں گہرے اثرات:

دوستی اور دشمنی کا دنیا و آخرت کے حوالے سے بہت ہی گہرا تعلق ہے، حتیٰ کہ کسی بھی انسان کے اُخروی انجام کو دنیا میں دیکھنے کے لئے اس کے دوستوں کو دیکھ لینا کافی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرامینِ عالیہ ملاحظہ فرمائیں:

’’ہر آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے ہر کوئی ضرور دیکھے کہ اس کا دوست کون ہے؟‘‘ (ابو داؤد: ح، 4193 / ترمذی: ح، 2300)

" (قیامت کے دن) آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ (دنیا میں) محبت کی ہوگی۔" (صحیح بخاری: ح،5720 / صحیح مسلم: ح،4779)

دنیا میں کسی برے دین واخلاق و کردار کے حامل انسان سے دوستی کرنے والا قیامت کے دن حسرت وندامت سے چیخ وپکار کرے گا۔

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ ربّ العزّت کے فرامین ملاحظہ ہوں:

يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي

الفرقان-29/28

" "ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی۔"

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ

الزخرف-67

" "اس دن (گہرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔"

وہ نوجوان جو دنیا میں اپنی دوستیوں، محبتوں اور اتحادوں پر فخر محسوس کرتے ہیں، ذرا اِن کے اُخروی انجام پر بھی ضرور غور کریں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا، نہ کوئی تنظیم اور نہ ہی کوئی اتحاد، بلکہ اس دن اس کا مال و دولت اور کسی کی سفارش بھی اس کے کچھ کام نہ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

البقرة-254

’’اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت۔‘‘

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

الشعراء-89/88

’’جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔ لیکن فائدہ والا وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے۔‘‘

نوجوان اور گمراہ کن تحریکیں:

نوجوانوں کی مثال ایک ایسے برتن کی مانند ہوتی ہے جو بالکل خالی ہو اور پھر اس میں جو چیز بھی ڈالی جائے برتن اس سے بھر جاتا ہے۔ اسی طرح نوجوان کا ذہن بھی جوانی کے دہلیز پر پہنچنے تک بالکل خالی ہوتا ہے، اس میں جس طرح کے بھی خیالات ڈالے جاتے ہیں‘ ذہن انہیں قبول کرلیتا ہے اور پھر وہی اچھے یا برے خیالات اس کے دین، اخلاق و کردار اور معاشرتی ادب و آداب کی بہتری یا برائی کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

اور وہ لوگ جو دینی گمراہیوں، شیطانی طاقتوں اور فحاشی و عریانیت کے فروغ کیلئے کام کرتے ہیں‘ وہ ایسے نوجوانوں کو اپنا خصوصی ہدف بناتے ہیں اور ان کے سامنے دنیا کی رنگینیوں اور عیاشیوں کی ایسی دلکش اور خوشنما تصویر پیش کرتے ہیں کہ نوجوان بغیر سوچے سمجھے اور اپنے اُخروی انجام سے بے پرواہ ہو کر مقناطیسی کشش کی مانند ان کے پیچھے چلنا شروع کر دیتے ہیں۔

لیکن اس حوالے سے اگر نوجوان اپنی فطری صلاحیتوں کا صحیح استعمال کریں، گمراہ کرنے والے لوگوں کی گمراہ کن باتوں سے اپنا دامن بچا کر رکھیں، ان سے مکمل کنارہ کشی

اختیار کرلیں اور خالصتاً قرآن وحدیث سے اپنا دامن وابستہ کرلیں تو کچھ بعید نہیں کہ یہ ساری گمراہ کن تحریکیں اپنی موت آپ مرجائیں گی۔

جوانی کس طرح گزاریں:

نوجوانی کی عمر عموماً لاابالی، گناہوں کی طرف میلان، من مانی، کھیل کود، دولت جمع کرنے کی لگن، عشق ومحبت، محنت اور جدوجہد کی عمر کہلاتی ہے۔

اسلام میں نوجوانوں کے لئے ان تمام چیزوں کے بارے میں مکمل راہنمائی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء:6 میں اس عمر کو "نکاح اور بردباری کی عمر" قرار دیا ہے۔

اس لئے کہ نکاح نوجوان کو گناہوں سے بچانے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

' 'اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو بھی نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے، اس لئے کہ نکاح نگاہوں کو جھکاتا اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔" (صحیح بخاری:ح، 4778/ صحیح مسلم:ح،1400)

اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے والے لوگوں سے مال ودولت کا وعدہ فرمایا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

النور-32

' 'اور تم میں سے جو مرد وعورتیں بے نکاح ہیں' ان کا نکاح کردو اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی، اگر وہ مفلس بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں مالدار کردے گا۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔ "

اور عشق ومحبت کی صداقت اور پائیداری بھی صرف نکاح کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

’’ ’’ہم نے دو محبت کرنے والوں (کی محبت) کو نکاح سے زیادہ (پائیدار) نہیں دیکھا۔‘‘

(سنن ابی ماجہ: ح، 1847 / السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی، ج:2، ح، 624)

اسی طرح اگر نوجوان اپنی عمر کو لاابالی پن، کھیل کود اور غیر اَخلاقی کاموں میں لگانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اپنا سایہ عطا فرمائے گا۔

’’ ’’سات خوش نصیب ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اُس (قیامت کے) دن اپنا سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا:

انصاف کرنے والا حکمران۔

وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری۔

وہ آدمی جس کا دل مسجد میں ہی لگا رہتا ہے۔

وہ دو آدمی جو اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت کریں، اسی کی خاطر ملیں اور اسی کی خاطر جدا ہوں۔

وہ آدمی جسے کوئی اونچے مرتبے والی خوبصورت عورت دعوتِ گناہ دے مگر وہ یہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

وہ آدمی جو اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی اس کے صدقے کے علم نہیں ہوتا۔

وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں۔‘‘ (صحیح بخاری: ح، 620 / صحیح مسلم: ح، 1031)

اللہ تعالیٰ کی نوجوانوں پر اپنے فضل وانعام کی اس سے زیادہ تیز بارش اور کیا ہو گی کہ مذکورہ سات خوش نصیبوں میں سے چھ نوجوانوں سے متعلق ہیں، اس لئے کہ یہ سارے کام وہ ہیں جو عموماً نوجوان ہی سرانجام دیتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں نوجوانوں کو محنت اور جدوجہد کا جذبہ عطا فرمایا ہے وہیں اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ فرامینِ الٰہی ملاحظہ فرمائیں:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

العنکبوت-69

’’اور جو لوگ ہمارے بارے میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستے کی ہدایت ضرور دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔‘‘

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ

الحج-78

’’اور اللہ کے راستے میں ویسے ہی جدوجہد کرو جیسا کہ کرنے کا حق ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا اس کے راستے میں جہدوجہد سے مراد، اس کے دین کا علم سیکھنا، اسلام کے غلبہ کیلئے جہاد، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل اور نفسِ امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنا ہے۔

موت کو کثرت سے یاد کیجئے، آخرت کی فکر کیجئے اور اصل کامیابی کی طرف پلٹ آیئے!

انسان کو ہر حال میں اپنی موت کو یاد رکھنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔‘‘(سنن ترمذی:ح،2307)

اصل کامیابی دنیا کو فتح کر لینا نہیں، بلکہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں بیان فرمائی ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ

آلِ عمران–185

''ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے، پس جو شخص (جہنم کی) آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا' بے شک وہ کامیاب ہو گیا۔ اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نوجوانوں کو اپنی جوانیاں اسلام کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(10) انسانی فکرو عمل میں قلب(دل) کا کردار اور اسلام

الشیخ حماد امین چاولہ حفظہ اللہ

روز مرہ گفتگو میں ہم کہتے ہیں کہ میرا دل نہیں مانتا یا فلاں کام کو میرا جی چاہ رہا ہے۔ شروع سے مختلف تہذیبوں میں انسان کا یہی طرزِ تکلم چلا آرہا ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی اللہ تعالیٰ کے متعدد فرامین اسی سیاق میں موجود ہیں مثلاً سورۃ الحج میں ہے کہ:

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ

الحج-46

آنکھیں اندھی نہیں ہوجاتیں بلکہ وہ دل (بصیرت سے) اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

ایک اور مقام پر یوں ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا

الاعراف-179

"اپنے دلوں سے وہ غور و فکر نہیں کرتے، اپنی آنکھوں سے وہ دیکھتے نہیں"۔

قرآن وحدیث میں دلوں کو غور و فکر اور تدبر و بصیرت کی صلاحیت رکھنے والا قرار دیا گیا ہے، یہاں قرآنی الفاظ 'قلب' اور 'فواد' کے باہمی فرق کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے برعکس جدید سائنس دل کو محض خون پمپ کرنے والا ایک آلہ ہی قرار دیتی ہیں۔ چنانچہ سائنس کی مرعوبیت کا شکار ہوتے ہوئے بعض اہل علم نے قرآن وحدیث کے اس بیان کو صرف ایک انسانی روز مرہ محاورہ قرار دینے کی بھی جارت کی ہے، لیکن آج سائنس قرآن کریم کے اس بیان کی تصدیق کر رہی ہے کہ دلوں کے اندر بھی غور و فکر کرنے والا عصبی نظام پایا

جاتا ہے۔ زیر نظر مضمون سے جہاں قرآن کریم کی حقانیت مترشح ہوتی ہے، وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان کو اپنا اعتماد اور ایقان قرآن وسنت کے بیانات پر ہی رکھنا چاہئے اور سائنس کے کسی موقف کو حرفِ آخر سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ ح م

' قلب 'انسانی جسم کا اہم اور کلیدی عضو ہے جو جسم انسانی کی طرح فکر و عمل میں بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے قرآن وحدیث کی نظر میں قلب کی درستی پر انسانی عمل کی درستی کا انحصار ہے۔

قرآن وحدیث میں انسانی دل کو ذہانت کا منبع اور جذبات واحساسات رکھنے والا عضو قرار دیا گیا ہے۔ اس دور میں سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، اس لیے اُنیسویں صدی تک یہی سمجھا جاتا رہا کہ انسانی دل کی حیثیت صرف پمپ جیسی ہے جو پورے جسم میں خون پمپ کرتا ہے۔ تاہم بیسویں صدی کے وسط میں سائنس نے پہلی مرتبہ یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ انسانی دل میں بھی انسانی دماغ کی طرح کے ذہانت کے بیز پائے جاتے ہیں۔ اس انقلابی دریافت کے بعد پھر انسانی دل پر بحیثیت منبع ذہانت (Source of Intelligence) کے مغرب میں بھی کئی اہم سائنسی تحقیقات ہوئیں۔ ان تحقیقات کو اس بحث میں مختصراً پیش کیا جائے گا تاکہ ہمیں اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ سائنس آج ان حقائق کو دریافت کر رہی ہے جو قرآن وحدیث نے 1400 سال پہلے بیان کر دیے تھے۔

انسانی دل کے اندر چھوٹا سا دماغ... جدید سائنسی تحقیق

اُنیسویں صدی حتیٰ کہ بیسویں صدی کے نصف تک سائنس دانوں کے حلقوں میں انسانی دل کو صرف خون پمپ کرنے والا ایک عضو ہی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پھر کچھ مزید سائنسی تحقیقات ہوئیں تو سائنس، دل کے متعلق اس بات کو سمجھنا

شروع ہوئی جو قرآن نے اور آقائے نامدار ﷺ نے چودہ سو سال پہلے کہی تھی۔ جیسا کہ تفسیر قرآن کے ماہر صحابیٔ رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا:

"اس قرآن میں ایسی آیات ہیں جنہیں صرف وقت گزرنے کے ساتھ ہی سمجھا جا سکے گا۔" یعنی جیسے جیسے انسان کا مشاہدہ وسیع اور باریک ہوتا جائے گا (ویسے ویسے اُن آیاتِ قرآنیہ کا مفہوم بھی واضح ہوتا جائیگا)۔

انسانی دل کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا کہ جدید سائنس نے انسانی دل کے متعلق اب یہ سمجھنا شروع کیا ہے کہ اس میں بھی ذہانت کے خانے ہیں۔ انسانی دل پر جدید تحقیقات کی بنیاد پر کینیڈا کے سائنس دان ڈاکٹر جے اینڈریو آرمر (Dr. J. Andrew) Armour M.D,Ph.D نے ایک نئی میڈیکل فیلڈ کی بنیاد رکھی ہے جس کا نام ہے نیورو کارڈیالوجی (Neuroradiology) یعنی انسانی دل کا اعصابی نظام (Nervous System) ڈاکٹر آرمر نے دل کے اعصابی نظام کے لیے 'دل کے اندر چھوٹا سا دماغ' (A little Brain in the Heart) کی اصطلاح وضع کی ہے۔

یہ اس لیے کہ اُنہوں نے دریافت کیا ہے کہ انسانی دل کے اندر تقریباً چالیس ہزار اعصابی بینر (Nerve Cells) پائے جاتے ہیں۔ یہ وہی بینر ہیں جن سے دماغ بنتا ہے۔ یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ دماغ کے کئی چھوٹے حصے اتنے ہی اعصابی خلیوں سے مل کر بنتے ہیں۔ مزید برآں دل کے یہ بینر دماغ کی مدد کے بغیر کام کر سکتے ہیں۔ دل کے اندر پایا جانے والا یہ دماغ پورے جسم سے معلومات لیتا ہے اور پھر موزوں فیصلے کرنے کے بعد جسم کے اعضا حتیٰ کہ دماغ کو بھی جوابی ہدایات دیتا ہے۔

علاوہ ازیں دل کے اندر موجود دماغ میں ایک طرح کی یاداشت (Short Term Memory) کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ دل کو دھڑکنے کے لیے دماغ کی ضرورت

نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ دل کی پیوند کاری کے آپریشن میں دل اور دماغ کے درمیان تمام رابطے کاٹ دیے جاتے ہیں اور جب دل نئے مریض کے سینے میں لگایا جاتا ہے تو وہ پھر سے دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ ان تمام تحقیقات کو پیش کرنے کے بعد ،جو ڈاکٹر اینڈریو آرمر اور اُن کے معاون سائنس دانوں نے دل کے اعصابی نظام پر کی ہیں، ڈاکٹر آرمر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"انسانی دل کے پاس اپنا چھوٹا سا دماغ ہوتا ہے جو اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنی مدد آپ کے تحت مشکل قسم کے تجزیے کر سکتا ہے۔ دل کے اعصابی نظام کی ساخت اور کارکردگی کے متعلق جاننے سے ہمارے علم میں ایک نئی جہت کا اضافہ ہوا ہے جس کے مطابق انسانی دل نہ صرف دماغ کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے بلکہ دماغ کی مدد کے بغیر آزادانہ طور پر بھی فرائض ادا کرتا ہے۔"

)بحوالہ: فرائیڈے اسپیشل، کراچی، 8 جولائی، 2011ء از ڈاکٹر مشتاق گوہر، نیویارک امریکہ:

Neuroradiology: Anatomical and functional Principles, California,2003.

(http://www.rcpsych.ac.uk/pdf/Heart,%20Mind%20and%20Spirit%20%20Mo amed%20Salem.pdf

تحقیق سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ دل، الیکٹرومیگنیٹک فیلڈ کی مدد سے دماغ اور بقیہ جسم کو اطلاعات پہنچاتا ہے۔ دل انسانی جسم میں سب سے زیادہ طاقتور الیکٹرومیگنیٹک فیلڈ پیدا کرتا ہے جو انتہائی تناسب سے کافی دور تک پھیلتی ہیں۔ دل کی پیدا کردہ الیکٹرومیگنٹک فیلڈ، دماغ کی پیدا کردہ میگنیٹک فیلڈ سے پانچ صد گنا طاقتور ہوتی ہیں اور ان کو جسم سے کئی فٹ کے فاصلے سے بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

(McCraty, Bradley& Tomasion,2004,

http://www.coherenceinhealth.nl/usr-data/general/verslagen/Verlsag_Rollin_McCraty.pdf)

دل اور دماغ کے مابین دو طرفہ گفتگو کا سائنسی ثبوت

1970ء تک سائنس دان یہ سمجھتے تھے کہ صرف دماغ انسانی دل کو یک طرفہ احکام جاری کرتا ہے اور دل ہمیشہ اُن کے مطابق کام کرتا ہے، لیکن 1970ء کی دہائی میں امریکی ریاست اوہائیو (Ohio) کے دو سائنس دانوں جان لیسی اور اس کی بیوی بیٹرس لیسی نے یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ انسان کے دماغ اور دل کے درمیان دو طرفہ رابطہ ہوتا ہے۔ یہ تحقیق امریکہ کے معروف موقر سائنسی جریدے امریکن فزیالوجسٹ کے شمارے میں چھپی تھی۔ تحقیق کا عنوان تھا:

(Two-way communication between the heart and the brain)

اُنہوں نے تجربات سے یہ دریافت کیا کہ جب دماغ جسم کے مختلف اعضا کو کوئی پیغام بھجواتا ہے تو دل آنکھیں بند کر کے اُسے قبول نہیں کر لیتا۔ جب دماغ جسم کو متحرک کرنے کا پیغام بھیجتا ہے تو کبھی دل اپنی دھڑکن تیز کر دیتا ہے اور کبھی دماغ کے حکم کے خلاف پہلے سے بھی آہستہ ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل اپنی ہی کوئی منطق و دانش استعمال کرتا ہے۔ مزید برآں دل بھی دماغ کو کچھ پیغامات بھیجتا ہے جنہیں دماغ نہ صرف سمجھتا ہے بلکہ ان پر عمل بھی کرتا ہے۔ (American Psychologist, 1978.)"

جان لیسی اور بیٹرس لیسی کی تحقیقات پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی سائنس دان ڈاکٹر رولن میکریٹی اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"جیسے جیسے اُن کی تحقیق مزید آگے بڑھی اُنہوں نے دریافت کیا کہ دل کی اپنی مخصوص منطق ہے جو بسا اوقات دماغ سے آنے والے پیغامات سے مختلف سمت میں جاتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ انسانی دل اس طرح کام کرتا ہے جیسے اس کا اپنا ایک دماغ

ہو"۔ (Heart-brain Neurodynamics: The Making of emotions, California, 2003.)

امریکی سائنس دان ڈاکٹر پال پیرسل (Paul Pearsall, Ph.D.) نے انسانی دل کی ذہانت پر اپنی کتاب میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر پیرسل کا موقف ہے کہ علوم انسانی کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ سائنس نے کئی سچائیوں کو بہت مشکل سے تسلیم کیا۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک ڈاکٹر حضرات جراثیم کے وجود کو تسلیم نہیں کیا کرتے تھے اور اس دوران کئی مریضوں کی اموات جراثیموں کی وجہ سے ہوئیں، کیونکہ اس دور کے طبیب اپنا نشتر (Scalpel) اپنے جوتے کے تلے کے چمڑے سے تیز کرتے تھے جس پر نشتر پر جراثیم لگ جاتے اور جس مریض کا اس سے آپریشن کیا جاتا، اس کی موت کا باعث بنتے۔

وہ اطبا (Doctors) اس بات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ لوگ جراثیموں جیسی کسی مخلوق کے وجود کے قائل ہیں۔ بالآخر جب لیون ہک (Leewen hook) نے خوردبین (Microscope) ایجاد کی اور سائنس دانوں نے خود اپنی آنکھوں سے جراثیم دیکھے تو پھر ہر ہسپتال میں آپریشن سے پہلے ڈاکٹروں نے اپنے ہاتھ دھونا شروع کر دیے اور اُنہوں نے اپنے میڈیکل اوزاروں کو بھی جراثیموں سے پاک (Sterilize) کرنا شروع کر دیا۔

ڈاکٹر پیرسل کے مطابق یہی حال سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کا بالآخر دل کے معاملے میں ہوگا، جب اُنہیں پتہ چل جائے گا کہ انسانی دل بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر پیرسل مزید لکھتا ہے:

"موجودہ دور کی ایجادات کا تعلق بھی دماغ ہی سے ہے، دل سے نہیں۔ درحقیقت دماغ سے ہمیں صرف سائنسی ترقی ملی ہے جبکہ اخلاقی ترقی صرف دل سے ہی مل سکتی ہے۔"

ڈاکٹر پیرسل کے مطابق پورے جسم میں دل کی ایک منفرد خصوصیت اس کا

دھڑکنا(Rhythmicity)ہے، جس کی وساطت سے دل پورے جسم پر اثرانداز ہوتا ہے۔ ہر دھڑکن کے ساتھ ہم دل کی موجودگی کو اپنے جسم میں محسوس کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی کلچر اور تہذیب کے کسی شخص کو لے لیں اور اس سے آپ کہیں کہ وہ اپنی ذات کی طرف اشارہ کرے تو کوئی شخص اپنے سر کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے: 'میں 'یہ کرتا ہوں یا 'میں 'یہ کہتا ہوں۔ دراصل انسانی روح کا اصل مکان دل ہوتا ہے اور انسان کی 'میں 'دراصل اس کی روح ہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی جب دل کا ذکر کرتے ہیں تو روح کا بھی ذکر کرتے ہیں، حتیٰ کہ مغربی عیسائی مصنّفین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں اس جنّت کی یاد ابھی پائی جاتی ہے جس سے سیدنا آدم کو نکالا گیا تھا، مثلاً مغربی مصنف رچرڈ بائن برگ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"ہماری مصروفیت بھری زندگی کے ہنگاموں کی تہہ میں ہمارے دلوں اور ہمارے اجسام کے خلیوں (Cells) کے اندر ایک کھوئی ہوئی جنت (A Paradise lost) کی خفیہ یادیں پوشیدہ ہوتی ہیں جنہیں ہم جنّت میں اپنی مشترکہ بچپن جیسی زندگی (Our shard paradisal infancy) کہہ سکتے ہیں"۔(The Heart's Code, New York, 1998.)

محقق جوزف چلٹن پیئرس اپنی کتاب میں قلبِ انسانی کے متعلق سائنسی تحقیقات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

۱ (ہمارے ذہن کو ہمارے دل کا آلہ (Instrument) کہا جا سکتا ہے۔

۲ (ہمارے دل کو بذاتِ خود انسانی زندگی کا آلہ کہا جا سکتا ہے۔

۳ (ہمارا دماغ اور ہمارا جسم کچھ اس طرح کی ساخت کے بنے ہوئے ہیں کہ وہ دل سے آنے والی معلومات کو ہمارے لیے منفرد تجربۂ زندگی میں تبدیل کر سکیں۔ دماغ اور بقیہ

جسم، دل سے آنے والی اس انفارمیشن کا لمحہ بہ لمحہ تجزیہ کرتے رہتے ہیں اور پھر اس نتیجے کو جذبات کی زبان میں دل تک دوبارہ پہنچاتے ہیں۔

۴ (دماغ سے آنے والی رپورٹوں کے جواب میں قلبِ انسانی پورے جسم کو اعصابی اور کیمیاوی (Neural and hormonal) سگنل بھیجتا ہے اور اُن میں تبدیلی لاتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے زندگی کے متعلق ہمارا ایک خاص قسم کا تجربہ ہماری شخصیت پر ثبت ہو جاتا ہے۔

آخر میں محقق پیرس جوزف قلبِ انسانی کے متعلق خلاصہ پیش کرتا ہے:

"Our heart plays a major, though fragile role in our overall consciousness"

(Memories and visions of Paradise, Los Angeles, 1989.)

"ہمارا دل ہماری سمجھ بوجھ اور شعور میں نہایت اہم اور نازک کردار ادا کرتا ہے۔"

قلب کے متعلق قرآن وحدیث کے بیانات

قارئین کرام! یوں تو دل کے متعلق قرآن وحدیث میں بے شمار مقامات پر کہا گیا ہے مگر یہاں بطورِ ثبوت چند آیات واحادیث پیش کی جاتی ہیں تاکہ آپ کو جدید سائنس اور قرآنی آیات کی اطلاعات کے درمیان موازنہ کرنے میں آسانی رہے۔

۱ (فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

الانعام-43

"پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے؟ مگر ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور جو کام وہ کر رہے تھے، شیطان نے انہیں وہی کام خوبصورت بنا کر دکھا دیئے۔"

وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ

الانعام-113

"اور (وہ ایسے کام) اس لیے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل اُن کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ اُنھیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے، وہی کرنے لگیں۔"

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ

الانفال-2

"سچّے اہلِ ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سُن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے ربّ پر اعتماد رکھتے ہیں۔"

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ

الحج-53

"وہ اس لیے ایسا ہونے دیتا ہے تاکہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنا دے، ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں کو (نفاق کا) روگ لگا ہوا ہے اور جن کے دل کھوٹے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ عناد میں بہت دور نکل گئے ہیں۔"

اب فرموداتِ امام الانبیاء ﷺ ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ، ثُمَّ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: أَخْرِجُوا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ. فَيُخْرَجُونَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَا - أَوِ الْحَيَاةِ شَكَّ مَالِكٌ - فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ، أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً». قَالَ وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو "الْحَيَاةِ". وَقَالَ: خَرْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ۔

صحیح بخاری: 22

”ابو سعید خدری رضی اللہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (جب) جنّت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ (فرشتوں) سے فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر (بھی) ایمان ہو، اس کو (دوزخ سے) نکال لو، پس وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور وہ (جل کر) سیاہ ہو چکے ہوں گے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ، وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ شَعِيرَةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ، وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ، وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ». قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ أَبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «مِنْ إِيمَانٍ» مَكَانَ «مِنْ خَيْرٍ»

صحیح بخاری: 44

”سیدنا انس نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لَا اِلٰہ اِلا اللہ کہہ دے اور اس کے دل میں ایک جو کے برابر نیکی (ایمان) ہو وہ دوزخ سے نکالا جائے گا اور جو لَا اِلٰہ اِلا اللہ کہے اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانے کے برابر خیر (ایمان) ہو وہ (بھی) دوزخ سے نکالا جائے گا اور جو شخص لَا اِلٰہ اِلا اللہ کہے اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر نیکی (ایمان) ہو وہ بھی دوزخ سے نکالا جائے گا، ابو عبد اللہ نے کہا کہ ابان نے بروایتِ قتادہ، انس، نبی ﷺ سے بجائے خیر کے ایمان کا لفظ روایت کیا ہے۔“

عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «الْحَلاَلُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لاَ يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ. أَلاَ وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلاَ إِنَّ حِمَى اللهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ. أَلاَ وَإِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ. أَلاَ وَهِيَ القَلْبُ»

صحیح بخاری: 52

”نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام (بھی ظاہر ہے) اور دونوں کے درمیان میں شبہ کی چیزیں ہیں کہ جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچے، اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لیا اور جو شخص شبہوں (کی چیزوں) میں مبتلا ہو جائے، (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے کہ جانور شاہی چراگاہ کے قریب چر رہا ہو جس کے متعلق اندیشہ ہوتا ہے کہ ایک دن اس کے اندر بھی داخل ہو جائے (لوگو!) آگاہ ہو جاؤ کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی چراگاہ اس کی زمین میں اُس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں، خبردار ہو جاؤ! کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے، سنو وہ ٹکڑا 'دل' ہے۔“

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَمُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ: «يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ». قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ. قَالَ: «يَا مُعَاذُ». قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، ثَلاَثًا. قَالَ: «مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلاَّ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ». قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلاَ أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا قَالَ «إِذًا يَتَّكِلُوا». وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا.

صحیح بخاری: 128

اسحٰق بن ابراہیم، معاذ بن ہشام، ہشام، قتادہ اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ ”سیدنا معاذ (ایک مرتبہ) آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے اُن سے فرمایا: اے معاذ (بن جبل)! اُنہوں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ ﷺ وسعدیک! آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! اُنہوں نے پھر عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ ﷺ وسعدیک! تین مرتبہ (ایسا ہی ہوا)۔ آپ نے فرمایا کہ جو

کوئی اپنے سچّے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کر دیتا ہے۔ معاذ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں؟ تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت جب کہ تم خبر کر دو گے تو لوگ (اسی پر) بھروسہ کر لیں گے اور عمل سے باز رہیں گے۔ سیدنا معاذ نے یہ حدیث اپنی موت کے وقت اس خوف سے بیان کر دی کہ کہیں (حدیث کے چھپانے پر ان سے) مؤاخذہ نہ ہو جائے۔"

نوٹ: اس موضوع کی مزید تفصیل کے لیے ذیل میں دی گئیں ویب سائٹس سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

http://www.experiencefestival.com/a/Heart_and_Brain/id/1961

http://www.heartmath.org/research/research-our-heart-brain.html

http://www.therealessentials.com/followyourheart.html

مؤلف کی مزید کتب
کا مطالعہ بھی کریں۔
مکتبہ دارالرحیل کراچی 03172134743